ولادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور قرآن

از محمد حنیف

ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ ۔ ١٩:٣٤

یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اُس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اعتراف

فہم قرآن کے حوالے سے یہ انسانی کوشش ہے۔ جو سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتی۔ تفکر و تدبر دین کے ضمن میں اگر میر انقطہ نظر درست ہے، تو یہ اس رب کریم کی بے پایاں نوازشات و عنایات کی وجہ سے ہے۔ اگر کہیں مجھ سے کوتاہی سرزد ہوئی ہے، تو یہ میرا انسانی سہو ہے۔ جسکے لیے میں اپنے رب کے حضور رحمت و مغفرت کا طالب ہوں۔ وہ یقیناً انسان کی نیتوں سے واقف ہے۔

لاکھوں سال سے انسان ایک مشاہدہ کر رہا ہے۔ مرغی دس بارہ انڈے دیتی ہے۔ پھر ان انڈوں پر ایک مخصوص مدت کے لیے بیٹھ جاتی ہے۔ اس مخصوص مدت کی تکمیل پر، ان انڈوں سے چھوٹے چھوٹے چوزے نکل آتے ہیں۔

اپنی پیدائش سے لے کر، چند دہائیوں قبل تک، انسان اسے ہی اللہ کا قانون سمجھتا تھا۔ یہ بات اس کے تصور سے بھی ماورا تھی کہ بغیر مرغی کے بیٹھے، ان انڈوں سے، چوزے نکل سکتے ہیں۔ اس کا مشاہدہ اس ہی کو " خدا کا قانون لاتبدیل "مانتا تھا۔

پھر کیا ہوا۔ انسان نے مرغی کے اس عمل پر تفکر و تدبر کیا، اور اس نتیجے پر پہنچا کہ بات مرغی کی نہیں، بلکہ ایک مخصوص مدت تک، مخصوص درجہ حرارت کی ہے۔ چنانچہ انسان نے "انکیوبیٹر" ایجاد کیئے ، فارم ہاوس قائم کیئے۔ اس کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ہے۔ روزانہ لاکھوں، کڑوڑوں چوزے، مرغی کے انڈوں پر بیٹھے بغیر، پیدا ہو رہے ہیں۔

غور فرمایئے۔ خدا کا یہ "اندازہ اور پیمانہ" کہ انڈوں سے چوزوں کی پیدائش، مرغی کی عدم موجودگی میں بھی ممکن ہے ہمیشہ سے تھا، لیکن انسان اس سے واقف نہ تھا۔ اپنے مشاہدے کی بناء پر، اُس دور کا انسان نہ جانے کتنے مناظرے کرتا ہو گا۔ کتنے مباحثے کرتا ہو گا۔

لاکھوں سال سے انسان کا یہ مشاہدہ تھا کہ جب تک ایک عورت، ایک مرد، جسمانی طور پر ایک دوسرے سے جنسی ملاپ نہ کریں، بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ لاکھوں سال کا یہ مشاہدہ، انسان کے لیے ایک اٹل قانون کی

حیثیت رکھتا تھا۔ اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کسی عورت کے یہاں کسی مرد سے ہم بستری کے بغیر بچہ پیدا ہو جائے۔

بغیر شادی کے کسی کنواری لڑکی کے یہاں اگر بچہ پیدا ہو جائے، تو معاشرے میں یہ غیرت کا سوال بن جاتا تھا۔ جس کا نتیجہ قتل تھا۔ ایسے بچے کو انتہائی کراہیت سے دیکھا جاتا تھا، اسے "**حرامی**" کا لقب دیا جاتا تھا۔ اور لوگ ایسی عورت اور ایسے بچے سے قطع تعلق کر لیتے تھے۔

لیکن آج کیا ہو رہا ہے؟

کیا آج بھی یہ ہی صورتحال ہے؟

کیا آج بھی یہ لازم ہے کہ جب تک کوئی مرد کسی عورت سے جسمانی تعلقات استوار نہ کرے، اسے حمل نہیں ٹھہر سکتا؟

آج ایسا نہیں ہے۔ آج یہ عام سا واقعہ ہے کہ کوئی بھی عورت، کسی مرد سے جنسی اختلاط کے بغیر، بچے کی ماں بن جائے۔ میڈیکل سائنس میں یہ روزمرہ کے واقعات کی طرح کا ایک عمل ہے۔

آیئے پہلے ہم انسانی تولید کے عمل کو سمجھتے ہیں۔

مردانہ نظام تولید

مرد کو اللہ تعالیٰ نے، دو طرح کے سیل عطا فرمائے۔ مردانہ سیل (Y) اور نسوانی سیل (X)۔

اسے میڈیکل کی اصطلاح میں اسپرم (Sperm) کہتے ہیں۔

عمر، حالات اور انسانی صحت کے مطابق ان اسپرمز کی تعداد میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ جب ایک مرد کسی عورت سے جسمانی تعلق قائم کرتا ہے، تو وہ ایک وقت میں لاکھوں کی تعداد میں اسپرم خارج کرتا ہے اگر مرد کا (Y) اسپرم، عورت کے انڈے سے ملتا ہے، تو اس کے نتیجہ میں لڑکا پیدا ہوتا ہے۔ اگر مرد کا (X) اسپرم، عورت کے انڈے سے ملتا ہے، تو اس کے نتیجہ میں، لڑکی کی پیدائش ہوتی ہے۔
مختلف ادویات اور خوراک کی مدد سے ایک مرد، طویل عرصہ تک، اپنی اس صلاحیت کو برقرار رکھ سکتا ہے۔

عورت کا نظام تولید

جب ایک بچی پیدا ہوتی ہے، تو رحم مادر میں، اس کے جسم کے دیگر اعضاء کی طرح، دو بیضہ دانیاں (Ovaries) بنتی ہیں۔ ایک دائیں جانب اور ایک بائیں جانب۔ ان بیضہ دانیوں (Ovaries) میں نسوانی سیل ہوتے ہیں۔ ان کی تعداد کم از کم 350 اور زیادہ سے زیادہ 5000 تک ہوتی ہے۔ ان نسوانی سیل کی تعداد پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے۔ کوئی دوائی، یا خوراک، ان سیل کی تعداد نہیں بڑھا سکتی۔

جب یہ بچی بلوغت کو پہنچتی ہے، تو اس کے جسم میں جنسی ہارمون بننا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان ہارمونز کی وجہ سے اس بچی میں ایک بالغ لڑکی کے خدوخال نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے نظام تولید میں بھی تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کی بیضہ دانیاں، ہر ماہ تین سے چار نسوانی سیل کی افزائش

شروع کرتی ہیں۔ ایک ماہ ایک بیضہ دانی سے یہ سیل نکلتے ہیں، دوسرے ماہ دوسری بیضہ دانی سے۔ ان نسوانی سیلز میں سے عموماً ایک اور کبھی کبھار دو یا تین سیل، تقریباً 18 سے 20 دنوں میں اس مطلوبہ سائز تک پہنچ جاتے ہیں، جو بچہ بننے کے عمل کے لیے ضروری ہوتا ہے۔

اس مقام پر آکر یہ سیل جنہیں عرف عام میں " انڈا " کہتے ہیں، بیضہ دانی سے نکل کر، آگے ایک ٹیوب میں پہنچ جاتے ہیں۔ جو (Fallopian Tube)، فیلوپین ٹیوب کہلاتی ہے۔ اس مقام پر یہ انڈے، تقریبا 24 سے 36 گھنٹے، قیام کرتے ہیں۔ ان انڈوں پر ایک باریک سی جھلی چڑھی ہوتی ہے۔ ان 36 گھنٹوں میں اگر مرد کا "اسپرم" ان انڈوں تک پہنچ کر، اس باریک جھلی کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے، تو اس صورت میں، یہ انڈا "بارآور" (Fertilize) ہو کر " رحم مادر" (uterus) میں پہنچ جاتا ہے۔ جہاں اس انڈے سے بچے بننے تک کے مراحل طے ہوتے ہیں۔

(Fallopian Tube) "فیلوپین ٹیوب" میں قیام کے دوران، اگر ان انڈوں تک " اسپرم "نہ پہنچ پائیں، تو یہ انڈے ماہواری کے خون کے ساتھ، خارج ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرے مہینہ ایک بار پھر یہ ہی عمل دوبارہ شروع ہو جاتا ہے۔

اس ہی طرح، اگر (Fallopian Tube) "فیلوپین ٹیوب" میں قیام کے دوران، ایک سے زیادہ "اسپرم "ان تین یا چار انڈوں سے ملاپ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں، تو ایک سے زیادہ بچوں کی پیدائش عمل میں آتی ہے۔ بعض اوقات، ایک انڈے کے ساتھ، ایک اسپرم ہی مل پاتا ہے لیکن یہ انڈا،

"جوش نمو" سے، دو حصوں میں بٹ جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں بھی، جڑواں بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کو (Monozygotic)، کہتے ہیں۔ اس عمل میں، پیدا ہونے والے جڑواں بچے لازماً ایک ہی جنس کے ہوتے ہیں۔ اور ان کی باہمی مشابہت بھی بہت زیادہ ہوتی ہے۔

عورت کو اللہ نے نسوانی سیل سے نوازہ ہے جو میڈیکل کی اصطلاح میں (**xx**) کہلاتے ہیں۔ لیکن مرد کو دو طرح کے سیل عطا کئے گئے ہیں جنہیں میڈیکل کی اصطلاح میں (**XY**) کہتے ہیں۔ اگر مرد کا اسپرم (**X**)، عورت کے سیل سے ملتا ہے، تو لڑکی کی پیدائش ہوتی ہے۔ اگر مرد کا اسپرم (**Y**) عورت کے سیل سے ملتا ہے، تو لڑکا پیدا ہوتا ہے۔

بعض اوقات جب مرد کا اسپرم، عورت کے انڈے سے ملتا ہے، تو بارآوری کے عمل میں، ہارمونز کی کمی بیشی کی وجہ سے اس بچے کی جنسی ساخت مکمل ہونے سے رہ جاتی ہے۔ یعنی اگر مرد کا (**X**) اسپرم عورت کے انڈے سے ملتا ہے، تو اصولی طور پر لڑکی پیدا ہونی چاہیے۔ لیکن ہارمونز کی کمی بیشی کی وجہ سے یہ مکمل طور پر لڑکی نہیں بن پاتی۔ ہوتی تو یہ لڑکی ہے لیکن اس کے نسوانی اعضاء مکمل نہیں ہو پاتے۔ اس طرح وہ عام نارمل لڑکیوں والی صفات سے محروم رہ جاتی ہے۔ نہ اس کے جسمانی خدوخال لڑکیوں والے ہوتے ہیں، اور نہ ہی یہ بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

بلکل اس ہی طرح، اگر مرد کا (**Y**) اسپرم، عورت کے انڈے سے ملتا ہے، تو اصولاً لڑکے کی پیدائش ہونی چاہیے لیکن، ہارمونز کی کمی بیشی کی وجہ سے، یہ لڑکا، ایک نارمل مرد والی جسمانی خصوصیات سے محروم ہوتا

ہے۔ ورنہ ہو تا وہ مر د ہی ہے۔ یہ تصور کے کہ یہ کوئی تیسری جنس ہوتی ہے، کم علمی کی بات ہے۔

عموماً، 45 سے 55 سال کی عمر کو پہنچ کر، عورت میں ان مخصوص نسوانی ہارمونز کی کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا ماہواری کا نظام، پہلے بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر، اس کا اختتام ہو جاتا ہے۔ میڈیکل اصطلاح میں اسے "مینوپوز" (Menopause) کہتے ہیں۔ ہارمونز کی اس کمی کے بعد، اس عورت کی "بیضہ دانی" میں موجود سیل آہستہ آہستہ سکڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان سیل کی انڈوں میں تبدیل ہونے کی صلاحیت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بیضہ دانی سکڑ جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ عورت ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

اس عمل کی ابتداء میں، اگر کچھ علاج کروایا جائے، تو اس عمل کی رفتار کم ضرور کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اس عمل کو 55 سال سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ اگر ایک بار، بیضہ دانی سکڑ جائے، اس کے سیل، تباہ ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت، اس عورت کو ماں نہیں بنا سکتی۔ اس مقام پر یہ بات بہت واضح طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی عورت "بانجھ" نہیں ہوتی۔ اسے "بنجر" کہتے ہیں۔

البتہ شکم مادر میں پرورش پاتے ہوئے، اگر کسی بچی کی "بچہ دانی"، "بیضاء دانی" یا "فیلو پین ٹیوب"، پوری طرح سے نہ بن پائے۔ یا کسی عورت کی "بچہ دانی" یا "فیلو پین ٹیوب"، کسی حادثہ کی وجہ سے، ضائع ہو جائے، تو ایسی عورت کو "بانجھ" کہتے ہیں۔ ایسی عورت آج تک کی علمی تحقیقات کی حد تک ماں نہیں بن سکتی۔ میڈیکل سائنس میں آج بھی اس کا کوئی علاج موجود نہیں ہے۔

INTRA UTERINE INSEMINATION

اوپر بیان کیے گئے تولید کے سارے عمل پر غور فرمائیں۔ آپ دیکھیں گے کہ اس سارے عمل میں، دو چیزیں لازمی ہیں۔

1۔۔بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی عورت

2۔۔اسپرم

میڈیکل سائنس نے ایسے جوڑوں پر ریسرچ کی، جن کے ہاں طویل عرصہ سے اولاد نہیں ہوتی تھی۔ انہوں نے جب ان جوڑوں کے میڈیکل ٹیسٹ کیے، تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ دونوں میں کوئی نقص نہیں ہے عورت کی انڈا بنانے کی صلاحیت پوری طرح فعال ہے۔ جب کہ مرد کے اسپرم مطلوبہ تعداد میں موجود ہیں۔ بظاہر ان جوڑوں کے یہاں بچے پیدا نہ ہونے کی کوئی سائنسی وجہ نظر نہیں آتی تھی۔

پھر میڈیکل سائنس میں ایک انقلاب آیا۔ میڈیکل کے ماہرین نے مرد کا صحت مند " اسپرم " ایک " کیتھیٹر " (Catheter)، کے ذریعے، عورت کی "فیلوپین ٹیوب "میں پہنچا کر، اسے وہاں موجود "انڈے "سے بار آور کروادیا۔ اس کے نتیجہ میں اس عورت کو حمل ٹھہر گیا۔۔۔۔۔اور پھر مقررہ مدت کے بعد، بچہ پیدا ہو گیا۔ اس عمل کو(Intra uterine Insemination)کا نام دیا گیا۔ اس کا مخفف (IUI)ہے۔

IN VITRO FERTILISATION

(IUI) سے بہت سارے بے اولاد جوڑوں کو اولاد کی نعمت نصیب ہوئی۔ لیکن اس ہی دوران ایسا بھی ہوا کہ کچھ جوڑوں میں، یہ عمل نتیجہ خیز نہ ہو سکا۔ ماہرین نے اس پر ریسرچ کی۔ اس کے بعد ایک دوسرا طریقہ ایجاد کیا گیا۔ اس طریقہ میں، ماہرین نے، پہلے عورت کی "فیلو پین ٹیوب" سے اس کا انڈا حاصل کیا پھر " اسپرم " لیا۔ پھر ان دونوں سیلز کو، ماں کے جسم سے باہر ، آپس میں "بارآور "کیا۔

جب یہ "انڈا "، "بارآور "ہو گیا، تو اس انڈے کو عورت کے رحم میں ایک " کیتھیٹر "کی مدد سے ڈال دیا گیا۔ اس کے نتیجہ میں، ایسے لوگوں کے یہاں بھی اولاد ہو گئی، جن پر (IUI)، کا طریقہ ناکام ہو گیا تھا۔

اس عمل کو (In vitro fertilization) کہتے ہیں۔ اس کا مخفف (IVF) ہے۔

آپ نے غور فرمایا۔ آج ان دونوں طریقوں سے، عورت حاملہ ہو جاتی ہے۔ لیکن اس میں مرد اور عورت کا جسمانی اختلاط نہیں ہوتا۔ آج اگر کوئی عورت، بغیر کسی مرد سے جسمانی ملاپ کے، ماں بننا چاہے، تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ عورت خود، بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت کی مالک ہو

آج دنیا میں ایسے "اسپرم بینک "اور "اووا بینک " قائم ہو چکے ہیں، جہاں لوگ رضاکارانہ طور پر، اپنے اسپرم اور انڈے، (Donate) "عطیہ "کرتے ہیں۔ اب کوئی بھی عورت اس بینک سے " IVF "کے ذریعے، ایک "بارآور انڈا" اپنے رحم میں رکھوا کر، ماں بن سکتی ہے۔ یا " IUI "کے ذریعے، کسی مرد کا "اسپرم "اپنے " انڈے "سے "بارآور "کروا سکتی ہے۔ اب اس بات کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ "انڈا" کس کا تھا، "اسپرم "کس کا تھا۔ اور بچہ کسے ہوا۔

مغربی دنیا میں، آج یہ عام سی بات ہے۔ اب تو ماہرین اس بات پر بھی قادر ہوتے جا رہے ہیں کہ اپنی مرضی کے مطابق، لڑکا یا لڑکی پیدا کریں۔ اس بات پر بھی قادر ہوتے جا رہے ہیں کہ پیدا ہونے والے بچے کا رنگ، اس کی آنکھیں، اس کے بال، اس کا قد، اس کی جسامت، اس کی ذہنی استعداد، اپنی مرضی سے طے کریں۔ ہم نہیں جانتے کہ اس سلسلہ کا انجام کیا ہو گا۔ میڈیکل سائنس مزید کتنی ترقی کرے گی۔ اور پیدائش انسانی میں کون کون سی انقلابی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔

سطور بالا میں بیان کردہ حقائق پر غور و فکر فرمائیں۔ اس امر پر تدبر فرمائیں کہ کیا یہ سب کچھ اس خدا کے مقرر کئے ہوئے "اندازوں اور پیمانوں" سے ماورا کوئی عمل ہو سکتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ ہو سکتا تھا، اگر وہ خدا ایسا نہ چاہتا۔ یا اس نے اس طرح کے "اندازے اور پیمانے" مقرر نہ کئے ہوتے۔ اس بات پر بھی توجہ مرکوز رہے کہ یہ سب کچھ اس "عالم خلق" میں ہو رہا ہے۔ تخلیق ہو رہی ہے۔ اس خدائے وحدہ لاشریک کے مقرر کیے ہوئے "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق۔

اب اس مقام پر کچھ سوالات ہیں۔

ایسی عورت جو درج بالا، طریقوں سے ماں بنتی ہے، کیا وہ بے راہرو کہلائے گی؟؟

کیا وہ زنا کی مرتکب کہلائے گی؟؟

کیا اس کا پیدا ہونے والا بچہ "حرامی" کہلائے گا؟؟

کیا یہ عورت خدا کے مقرر کردہ کسی قانون کے تحت مستوجب سزا ٹھہرے گی؟؟

سورہ مریم میں ایک جگہ اللہ رب العزت نے، مریم صادقہؓ کے لیے "أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا" کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان کے معنی اپنی عفت کی حفاظت ہوتا ہے۔ اگر شادی شدہ ہو، تو اپنے شوہر تک محدود رہنے والی، اور اگر غیر شادی شدہ ہو، تو کسی بھی مرد سے جسمانی تعلقات نہ رکھنے والی۔

اب IUI، یا IVF کے ذریعے ماں بننے والی یہ غیر شادی شدہ عورت جس نے کسی بھی مرد سے ہم بستری نہیں کی۔ کیا "أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا" کے زمرے میں نہیں آتی؟

حرامی بچہ

خدائے بزرگ وبرتر نے، انسانوں کو جن اعلیٰ اقدار سے نوازہ۔ اس کی زندگی کی خوشگواریوں کے لیے جو احکامات دیئے، ان میں سے ایک "نکاح" بھی ہے۔ "نکاح" کی کیا افادیت ہے۔ اس سے خداوند کریم کا مقصود کیا ہے۔ اس موقع پر یہ بحث ہمارے مضمون کے موضوع سے باہر ہے۔ ایک اشارے پر اکتفا کرتا ہوں کہ "نکاح" کے عمل کے بغیر اعلیٰ انسانی معاشرے کی تشکیل ممکن نہیں۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اللہ کریم نے روز اول سے، بغیر "نکاح" کے، مرد اور عورت کے جنسی اختلاط کو ایک جرم قرار دیا ہے۔ اس کی سزا مقرر کی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کوئی مرد اور عورت، بغیر "نکاح" کے، ازدواجی تعلقات استوار کرلیں، تو کیا ان یہاں اولاد نہیں ہو جاتی۔ ہمارا مشاہدہ بتاتا ہے کہ ہو جاتی ہے۔ میڈیکل سائنس کی رو سے اس بات کی کوئی

اہمیت نہیں کہ مرد اور عورت، شادی شدہ ہیں، غیر شادی شدہ ہیں، یا سگے بہن بھائی ہیں، سگے باپ بیٹی ہیں، سگے ماں بیٹا ہیں۔ میڈیکل سائنس کی رو سے، جب بھی کسی مرد کا "اسپرم" کسی عورت کے "انڈے" سے ملتا ہے، حمل ٹھہر جاتا ہے۔ یہ "مادی انسانی جسم" کی تخلیق کا "اندازہ اور پیمانہ" ہے۔ اب اگر کوئی مرد اور عورت، "نکاح" کے بغیر، ازدواجی تعلقات قائم کریں، تو "اللہ کے قانون" کی رو سے یہ دونوں مجرم ٹھہرتے ہیں۔ ان پر حد نافذ ہو جاتی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اس جوڑے کے اس جرم کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچے کا اس عمل میں کیا کردار ہے۔

کیا یہ بچہ اپنے ماں اور باپ کی بے راہ روی کا ذمہ دار ٹھہرتا ہے؟

کیا خدا اس بچہ کے ماں اور باپ کو سو کوڑوں کی سزا دینے کے ساتھ، اس بچہ پر بھی کوئی حد نافذ کرتا ہے؟

عدل عام کے اصول اور تقاضوں کے مطابق، کیا اس بچے کو کوئی سزا دی جا سکتی ہے؟

اگر نہیں، تو پھر یہ تصور کہ فلاں بچہ "حرامی" ہے۔ قابل نفرت ہے۔ کیا خدا کے قانون عدل کے مطابق درست ہے؟

ظاہر ہے کہ جس طرح انسانی معاشروں میں اور بے شمار قباحتیں موجود ہیں۔ بے شمار ایسے افعال کئے جاتے ہیں، جو نہ تو منشاء ربانی ہوتے ہیں، اور نہ ہی خدا کے قانون، اور اعلیٰ انسانی اقدار کے مطابق ہوتے ہیں۔ اس "معصوم بچے" کے ساتھ اس طرح کا سلوک بھی، ناقابل تلافی "جرم" کہلائے گا۔

چنانچہ اگر کوئی بچہ، بغیر نکاح کے پیدا ہو گیا، تو وہ عدل عام کے اصولوں کے مطابق، اور از روئے قانون

خداوندی، بلکل معصوم ہوتا ہے۔ بے گناہ ہوتا ہے۔

آیئے اس سوال کا جواب قرآن کریم سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس نے انسانی بچے کی پیدائش کے لیے، مرد

اور عورت کے جسمانی تعلقات کی شرط رکھی ہے؟

کیا یہ خدا کا قانون ہے کہ جب تک ایک مرد اور ایک عورت "ازدواجی تعلقات" قائم نہیں کریں گے،

عورت کو حمل نہیں ٹھہرے گا؟

کیا کسی بچے کی پیدائش کے لئے ایک مرد کا ایک عورت کے ساتھ، "جنسی اختلاط" لازمی شرط ہے؟

آیئے پہلے پیدائش انسانی کی ابتداء پر غور کرتے ہیں۔۔

کائنات میں موجود ہر ذی حیات کے متعلق خدائے بزرگ و برتر نے ایک بنیادی حقیقت یہ بیان فرمادی،

ارشاد فرمایا۔۔

أَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنَاهُمَا ۖ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ

حَيٍّ ۖ أَفَلَا يُؤْمِنُونَ [۲۱:۳۰]

اور کیا کافر لوگوں نے نہیں دیکھا کہ جملہ آسمانی کائنات اور زمین (سب) ایک اکائی کی شکل میں جڑے ہوئے تھے پس

ہم نے ان کو پھاڑ کر جدا کر دیا، اور ہم نے (زمین پر) پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی، تو کیا وہ (قرآن کے

بیان کردہ اِن حقائق سے آگاہ ہو کر بھی) ایمان نہیں لاتے، [طاہر القادری]

کائنات میں موجود ہر طرح کی زندگی کی نمود پانی سے ہوئی۔

تخلیق انسانی کے حوالے سے ارشاد فرمایا۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ إِذَا أَنتُم بَشَرٌ تَنتَشِرُونَ [۳۰:۲۰]

اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہیں خاک سے پیدا کیا ہے اور اس کے بعد تم بشر کی شکل میں پھیل گئے ہو [سید ذیشان حیدر جوادی]

عربی زبان میں اس لفظ "تراب" کے معنی خاک کے ہوتے ہیں۔ مٹی اور خاک میں ایک لطیف سا فرق ہے ساری زمین مٹی ہی ہے۔ جب یہ مٹی خشک حالت میں ہوا میں اڑ رہی ہو، تو اسے "خاک" کہتے ہیں۔ جیسے ہی پانی اس خاک پر پڑتا ہے تو یہ "طین" کہلاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۖ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِن طِينٍ [۳۲:۷]

وہی ہے جس نے خوبی و حسن بخشا ہر اس چیز کو جسے اس نے پیدا فرمایا اور اس نے انسانی تخلیق کی ابتداء مٹی (یعنی غیر نامی مادّہ) سے کی، [طاہر القادری]

صرف "طین" یعنی گیلی مٹی نہیں، بلکہ اس گیلی مٹی کا "ست" یعنی " مٹی کا خلاصہ " سے پیدا کیا۔

ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ [۲۳:۱۲]

اور بیشک ہم نے انسان کی تخلیق (کی ابتداء) مٹی (کے کیمیائی اجزاء) کے خلاصہ سے فرمائی، [طاہر القادری]

گیلی مٹی کا ایسا خلاصہ، جو چپ چپار ہی رہا تھا۔ ارشاد فرمایا۔

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَم مَّنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ [٣٧:١١]

اِن سے پوچھئے کہ کیا یہ لوگ تخلیق کئے جانے میں زیادہ سخت (اور مشکل) ہیں یا وہ چیزیں جنہیں ہم نے (آسمانی کائنات میں) تخلیق فرمایا ہے، بیشک ہم نے اِن لوگوں کو چپکنے والے گارے سے پیدا کیا ہے، [طاہر القادری]

چپ چپاتی ہوئی یہ مٹی، جو سوکھ کر بجنے لگی۔ ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ [١٥:٢٦]

اور بیشک ہم نے انسان کی (کیمیائی) تخلیق ایسے خشک بجنے والے گارے سے کی جو (پہلے) سن رسیدہ (اور دھوپ اور دیگر طبیعیاتی اور کیمیائی اثرات کے باعث تغیر پذیر ہو کر) سیاہ بودار ہو چکا تھا، [طاہر القادری]

ایسی مٹی سے پیدا فرمایا، جو سورج کی تپش سے سوکھ کر کھڑکنے لگی تھی۔ ارشاد فرمایا۔

خَلَقَ الْإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ [٥٥:١٤]

اسی نے انسان کو ٹھیکری کی طرح بجتے ہوئے خشک گارے سے بنایا، [طاہر القادری]

اس مقام پر لازم ہے کہ میں آیات بالا میں، مٹی کی مختلف اقسام کی وضاحت کر دوں۔ آپ غور فرمائیں۔

کہا گیا۔ تُرَابٍ ،طِينٍ ،طِينٍ لَّازِبٍ، صَلْصَالٍ، الْفَخَّارِ---

عربی زبان میں، تراب کے معنی خاک کے ہوتے ہیں۔ جب اس خاک سے پانی کا ملاپ ہوتا ہے تو یہ گیلی مٹی " طین " کہلاتی ہے۔ جب یہ "طین" گارے کی طرح چپ چپی ہو تو " لازب " کہلاتی ہے۔ جب یہ "طین" خشک ہو جائے تو "صَلۡصَالٍ" کہلاتی ہے۔

یہ ہی "طین" جب آگ میں پکی ہو تو "الۡفَخَّارِ" کہلاتی ہے۔

ان مراحل سے گزر کر اسے زمین سے پیدا فرمایا۔ ارشاد ہے۔

وَاللَّهُ أَنبَتَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نَبَاتًا [۷۱:۱۷]

اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی مانند اُگایا [طاہر القادری]

آیات بالا تخلیق انسانی کے ابتدائی مراحل کو نہایت بلیغ انداز میں واضح کر رہی ہیں۔ انسانی تخلیق کا یہ وہ دور ہے جب انسان آج کی حالت میں نہ تھا۔ رب کائنات نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے، اپنے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق، انسان کو بغیر ماں باپ کے، اس مٹی سے تخلیق کیا۔ تخلیق انسانی کا یہ عمل، آج کے دور کے انسان کی تخلیق "تولید و تناسل" سے بلکل مختلف تھا۔ یہ وہ دور تھا، جب وہ خدا اپنے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق، اس زمین پر انسانی حیات کے مرحلہ اول کی تکمیل کر رہا تھا۔

انسانی حیات کے مرحلہ اول کی تکمیل کے بعد خدائے دانا و بینا نے اپنے مقرر کردہ دوسرے " اندازے و پیمانے " کے مطابق، حیات انسانی کا دوسرا مرحلہ شروع کیا۔ اس مرحلہ میں انسان کو جوڑوں

میں تقسیم کیا گیا۔ نر اور مادہ۔۔۔۔۔ پھر ان سے نسل انسانی کو بذریعہ "تولید و تناسل" جاری و ساری کیا۔

چنانچہ ارشاد ہوا۔۔

وَاللَّهُ خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ أَزْوَاجًا ۚ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ ۚ وَمَا يُعَمَّرُ مِن مُّعَمَّرٍ وَلَا يُنقَصُ مِنْ عُمُرِهِ إِلَّا فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ [٣٥:١١]

اور اللہ ہی نے تم کو خاک سے پیدا کیا پھر نطفہ سے بنایا پھر تمہیں جوڑا قرار دیا اور جو کچھ عورت اپنے شکم میں اٹھاتی ہے یا پیدا کرتی ہے سب اس کے علم سے ہوتا ہے اور کسی بھی طویل العمر کو جو عمر دی جاتی ہے یا عمر میں کمی کی جاتی ہے یہ سب کتاب الٰہی میں مذکور ہے اور اللہ کے لئے یہ سب کام بہت آسان ہے [سید ذیشان حیدر جوادی]

مزید ارشاد فرمایا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ [:] ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ [:] ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ ۚ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ [٢٣:١٤]

اور بیشک ہم نے انسان کی تخلیق (کی ابتداء) مٹی (کے کیمیائی اجزاء) کے خلاصہ سے فرمائی، پھر اسے نطفہ (تولیدی قطرہ) بنا کر ایک مضبوط جگہ (رحمِ مادر) میں رکھا، پھر ہم نے اس نطفہ کو (رحمِ مادر کے اندر جونک کی صورت میں) معلّق وجود بنا دیا، پھر ہم نے اس معلّق وجود کو ایک (ایسا) لوتھڑا بنا دیا جو دانتوں سے چبایا ہوا لگتا ہے، پھر ہم نے اس

لو تھڑے سے ہڈیوں کا ڈھانچہ بنایا، پھر ہم نے ان ہڈیوں پر گوشت (اور پٹھے) چڑھائے، پھر ہم نے اسے تخلیق کی دوسری صورت میں (بدل کر تدریجاً) نشو و نما دی، پھر اللہ نے (اسے) بڑھا (کر محکم وجود بنا) دیا جو سب سے بہتر پیدا فرمانے والا ہے، [طاہر القادری]

اس ہی بات کو دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا۔

هَلْ أَتَىٰ عَلَى الْإِنسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُن شَيْئًا مَّذْكُورًا [:] إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا [٧٦:٢]

بے شک انسان پر زمانے کا ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذِکر چیز ہی نہ تھا، بے شک ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا فرمایا جسے ہم (تولّد تک ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ کی طرف) پلٹتے اور جانچتے رہتے ہیں، پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے، [طاہر القادری]

اس مقام پر بہت زیادہ تفکر و تدبر کی درخواست ہے۔

خدائے بزرگ و برتر نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق، انسان کو تخلیق فرمایا۔ اس کے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق تخلیق انسانی کے پہلے مرحلہ میں اسے، ایک بے جان مادہ سے بغیر ماں اور باپ کے، پیدا فرمایا۔

دوسرے مرحلہ میں، اپنے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق، اسے مذکر اور مونث، میں تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد تخلیق انسانی کا عمل بذریعہ "تولید و تناسل" کے جاری کیا۔ جو آج تک جاری ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا تخلیق انسانی کا یہ مرحلہ جو آج ہمارے سامنے ہے، اللہ کریم کے مقرر کردہ " اندازوں اور پیمانوں" کی انتہا ہے؟ حرف آخر ہے؟

غیر متبدل ہے؟

کیا وہ خدائے خالق و مالک، اپنے مقرر کردہ اس "پیمانے اور اندازے" جس کے تحت آج انسان کی پیدائش، بذریعہ " تولید و تناسل" ہو رہی ہے، کہ آگے مجبور محض بن گیا ہے؟

کیا اس کا مقرر کردہ یہ "اندازہ و پیمانہ" حتمی ہے؟

کیا وہ اس ہی طرح ایک بار پھر اپنے مقرر کردہ "اندازے اور پیمانے" کو بدلنے پر قادر نہیں ہے، جس طرح اس نے انسان کی ابتدائی تخلیق، بذریعہ "طین" کے "اندازے اور پیمانے" کو آج کے طریقہ " تولید و تناسل " میں تبدیل کیا؟؟

آپ پورے قرآن کریم کا مطالعہ کریں، اس پر تفکر و تدبر کریں، آپ کو ایک بھی ایسی آیت نہیں ملے گی ، جہاں اس ذات باری تعالیٰ نے، عورت کے حمل کے لیے کسی مرد کے ساتھ ہم بستری کو لازم قرار دیا ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ [٤٩:١٣]

انسانو ہم نے تم کو ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دیئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔۔

اس بات پر غور فرمائیں۔ مذکر اور مونث کا بیان ہے۔ عورت اور مرد نہیں۔ عموماً ہمارے یہاں اس آیت مبارکہ میں موجود الفاظ "ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ "کا ترجمہ "عورت اور مرد" کیا جاتا ہے۔ عربی زبان میں، مرد کے لیے "رجل" اور عورت کے لئے "نساء" کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

اس مقام پر ایک سوال اپنے ان قارئین کے لیے جو تفکر و تدبر کے قائل ہیں۔ دلیل وہ برہان سے بات کو سمجھتے ہیں، سمجھاتے ہیں، کہ۔۔۔۔۔

اگر آج اس صدی میں، میڈیکل سائنس اس امر پر قادر ہو چکی ہے جس کی رو سے کوئی بھی عورت، کسی مرد سے جسمانی تعلق قائم کئے بغیر، حاملہ ہو سکتی ہے۔ بچہ پیدا کر سکتی ہے۔ بچہ پیدا کر رہی ہے۔ تو وہ رب کریم، قادر مطلق، علیم و حکیم، بصیر و خبیر ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟؟

جس شئے کا، جس عمل کا اس رب کریم نے پہلے ہی ایک "اندازہ اور پیمانہ" مقرر کیا ہوا تھا، اور آج کے انسان نے اللہ کریم کے مقرر کردہ اس "اندازے اور پیمانے" کے عین مطابق، بغیر کسی مرد کے جسمانی اختلاط کے، عورت کو حاملہ کر دیا، تو خود اس خدا کا کوئی ایسا عمل، کس طرح خلاف قانون قرار پائے گا؟

کس طرح "خارق عادت" کہلائے گا؟

"نفس واحدہ" سے، بغیر ماں اور باپ کے، انسانی تخلیق کی ابتداء کرنے والے خدا نے، اپنے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے عین مطابق، متعین وقت پر، انسانی تخلیق کے سابقہ طریقہ میں تبدیلی کر کے، اسے بذریعہ "تولید و تناسل" شروع کیا، تب تو اس کا یہ عمل "خلاف قانون" نہ کہلایا۔ لیکن اگر زندگی کے کسی موقعہ پر وہ تخلیق انسانی کے موجودہ "اندازے اور پیمانے" میں کوئی تبدیلی کر کے، بغیر کسی مرد کے ساتھ ازدواجی تعلق کے "مریم صادقہؓ" کو حاملہ کر دے، تو اس کا یہ عمل کس اصول کے تحت خلاف قانون کہلایا جا سکتا ہے؟؟ اور جب آج صورتحال یہ ہو کہ ہم انسان خود اس ہی طرح کے عمل پر قادر ہو چکے ہیں۔

اس مقام پر میں اپنی کتاب "مجبور خدا" کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہوں گا۔ میں نے لکھا۔

" اشیاء کائنات کے مقرر کردہ "اندازے اور پیمانے" قانون کے دائرے میں نہیں آتے۔ اس ہی لیے یہ تغیر پذیر ہیں۔ تبدل و تحول پذیر ہیں۔ بد قسمتی سے ہر دور کا انسان اپنے دور کی علمی ترقی، اور مشاہدات کی بناء پر یہ سمجھ لیتا ہے کہ جو کچھ وہ دیکھ رہا ہے بس یہ ہی قانون خداوندی ہے۔ غیر متبدل ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

سائنس ہر گزرتے لمحے میں، ان اشیاء کائنات کے نت نئے "اندازوں اور پیمانوں" کو دریافت کر رہی ہے۔ ترقی کا یہ عمل، جاری و ساری ہے۔

کسی بھی دور کا انسان اس بات کا دعوے دار نہیں ہو سکتا کہ جو کچھ اس کا مشاہدہ ہے، یہ ہی قانون خداوندی ہے۔ غیر متبدل ہے۔ یہ بہت بڑی کوتاہ بینی ہے۔ فہم کی کمی ہے"

مہجور خدا صفحہ نمبر 111--

صدیاں گزر گئیں، پیدائش مسیح علیہ سلام، ہمارے معاشرے میں ایک متنازعہ موضوع کی حیثیت سے موجود ہے۔ جب ہم قرآن کریم کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس اہم حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں، کہ پورے قرآن کریم میں، اللہ کریم نے، کسی نبی کو اس کے شجرہ نسب کے ساتھ متعارف نہیں کروایا۔ نہ ہی کسی نبی کے ماں باپ کا بار بار ذکر کیا ہے۔ لیکن اس ہی قرآن میں واحد نبی حضرت عیسیٰؑ ایسے ہیں، جنہیں قرآن کریم مسلسل، بار بار، ان کی ماں کے نام کے ساتھ پکار رہا ہے۔

دور نزول قرآن میں بھی یہ نظریہ اور عقیدہ موجود تھا کہ حضرت مسیح علیہ سلام، بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔ اس ہی وجہ سے، یہودی حضرت عیسیٰ علیہ سلام کو، نفرت اور حقارت سے دیکھتے تھے۔ جب کہ عیسائی اس ہی بناء پر، حضرت عیسیٰ علیہ سلام کو اللہ کا بیٹا کہہ کر پکارتے تھے۔

اس عقیدے کی موجودگی میں، قرآن کریم میں بار بار "عیسیٰ ابن مریم" کے الفاظ اس عقیدہ کو درست ثابت کرتے نظر آتے ہیں۔ جب کہ پورے قرآن کریم میں، اللہ کریم نے کہیں پر بھی، ٹھوس انداز میں اس عقیدہ اور نظریہ کی تردید نہیں کی۔ قرآن کریم کی آیات کا بغیر کسی مخصوص نظریہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر مطالعہ کیا جائے، تو یہ آیات اس عقیدہ کی تائید کرتی نظر آتی ہیں۔

پیدائش مسیح علیہ سلام کے متعلق، آج بھی امت میں دو طرح کے عقائد موجود ہیں۔

1۔۔ امت مسلمہ کی اکثیریت، اس عقیدہ کی حامی ہے کہ اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے، مریم صادقہؓ کو، کسی مرد کے ساتھ جسمانی تعلقات استوار کئے بغیر، حمل ٹھہرادیا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ سلام کی ولادت ہوئی۔

2۔۔ امت میں ایک اور رائے ہے کہ نہیں، یہ بات خلاف قانون ہے۔ ایک گالی ہے۔ بغیر کسی مرد سے ازدواجی تعلقات کے، بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ مریم صادقہؓ نے بھی شادی کی تھی، اس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰ علیہ سلام کی پیدائش ہوئی۔

گو کہ اس نظریہ کے قائل افراد کی تعداد محدود ہے۔ لیکن بہر حال، یہ نظریہ موجود ہے۔

اس نظریہ کے قائل ہمارے اکابرین میں، ایک بڑا نام جناب پرویز علیہ رحمہ کا ہے۔ پرویز علیہ رحمہ نے اپنے اس موقف کی تائید میں، کچھ دلائل پیش کیے۔ جناب پرویز علیہ رحمہ نے، جو دلائل پیش کیے، یہ تقریباً وہ ہی ہیں، جو پرویز علیہ رحمہ سے پیشتر، دیگر اکابرین کرام جناب سر سید احمد خان اور ان کے رفقاء علیہ رحمہ، پیش کرتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ لازم ہے کہ میں، سب سے پہلے جناب پرویز علیہ رحمہ کے پیش کردہ دلائل کو ترتیب وار پیش کروں، اور ان پر عقل عام، ہمارے دور کے علمی انکشافات، ہمارے مشاہدات، اور قرآن کریم کی نص صریح سے جرح کروں اور حقائق کو بیان کروں۔

اس مرحلہ پر میں اپنا پرانا موقف ایک بار پھر دوہرانا چاہوں گا۔

میں اپنے اکابرین اور سابقین کے متعلق حسن ظن کا قائل ہوں۔ میں یہ سمجھتا ہوں، کہ ہمارے اسلاف ہمارے سارے بزرگان، سابقین نے اپنی اپنی فہم سے دین کو سمجھنے کی کوشش کی۔ جو کچھ انہوں نے سمجھا اس اعتراف کے ساتھ پیش کیا کہ ان کا کہا ہوا کوئی لفظ حرف آخر نہیں ہے۔ ہمارے ان محترم اکابرین نے اس امر کا بھی ببانگ دہل اعتراف کیا کہ وہ انسان ہیں، اس لیے ان کی کاوشیں، سہو و خطا سے منزہ نہیں ہو سکتیں۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اکابرین نے جو کچھ پیش کیا، وہ ان کی فہم تھی۔ اپنے دور کے علمی انکشافات اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق، جو کچھ انہوں نے درست سمجھا، پورے خلوص سے ہمارے سامنے پیش کر دیا۔ ان کی فہم کی کوتاہی ہو سکتی ہے۔ دین کو درست طور پر سمجھنے میں، ان سے خطا ہو سکتی ہے، ہر انسان کی طرح، وہ بھی کچھ مخصوص عقائد و نظریات کے اسیر ہو سکتے ہیں، لیکن وہ سب دین سے مخلص تھے۔ دین کی خدمت کرنا چاہتے تھے۔ ہم ان کی فہم پر بات کر سکتے ہیں ان کے کام پر تنقید کر سکتے

ہیں۔ ان کے عقائد و نظریات سے اختلاف کر سکتے ہیں، لیکن ان کی نیتوں پر شک ہر گز نہیں کر سکتے۔ اللہ کریم سے دعا کر سکتے ہیں، کہ اگر ان سے کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو انہیں معاف فرمائیں اور اگر ہم سے کوئی غلطی ہو رہی ہو، تو ہمیں بھی معاف فرمائے۔ اور دین خالص کو اس طرح سمجھنے اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، جس طرح ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا اور عمل کیا اور جو اس رب کریم کا مطمع نظر ہے۔

ذہن سازی

آپ دنیا کے بڑے بڑے سیاسی لیڈران اور مذہبی پیشواؤں کے طرز عمل کا مشاہدہ کریں۔ غور کریں کہ وہ کسی تحریک اور نظریہ کو پروان چڑھانے کے لیے کیا طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ آپ دیکھیں گے کہ یہ سب اپنے مقاصد و نظریات کی ترویج کے لیے باقائدہ ہوم ورک کرتے ہیں۔ اپنے مقصد کے حصول کے لیے ایک مخصوص ماحول بناتے ہیں۔ لوگوں کو اس ماحول کا عادی بناتے ہیں۔ جب لوگ اس مخصوص ماحول کے عادی ہو جاتے ہیں، تو پھر اس " مخصوص "ماحول کے پس منظر میں، اپنا نظریہ اپنا عقیدہ، اپنا مطمع نظر سامنے لاتے ہیں۔

چونکہ لوگ پہلے ہی سے اس " مخصوص ماحول " کے عادی ہوتے ہیں، اس لیے پھر وہ اس مخصوص نظریہ یا عقیدہ کو اس مخصوص ماحول کے تناظر میں درست مان لیتے ہیں۔

جو لوگ ڈراونی فلموں کے شوقین ہیں، وہ جانتے ہیں، کہ کسی ایک مخصوص سین میں، خوف و دہشت پیدا کرنے کے لیے، مخصوص قسم کے ساز بجائے جاتے ہیں، کچھ مخصوص آوازیں پیدا کی جاتی ہیں۔ سین سے

پہلے ایسا ماحول تخلیق کیا جاتا ہے کہ جیسے ہی وہ مخصوص سین سامنے آتا ہے، بڑے بڑے دل گردے والوں کی بھی چیخیں نکل جاتی ہیں۔ یہ با قائدہ ایک سائنس ہے۔

بد قسمتی سے "ولادت مسیح علیہ سلام" کے ضمن میں، جناب پرویز علیہ رحمہ بھی اس ہی طریقہ کار پر عمل کرتے نظر آتے ہیں۔ قرآن کریم کی سیدھی سادی آیات کا، سیدھا سادہ ترجمہ یا مفہوم بیان کرنے کے بجائے، اپنے ذہن میں موجود ایک مخصوص نظریہ کے تناظر میں، مریم صادقہؑ کے ارد گرد ایک ایسا ماحول پیدا کیا، ایک ایسا مخصوص پس منظر تخلیق کیا، کہ اس کے بعد جو بھی قرآنی آیات سامنے لائی گئیں، اس مخصوص پس منظر میں وہ ہی کچھ بیان کرتی نظر آئیں، جو ان کا مطمع نظر تھا۔

اس مخصوص پس منظر کو درست ثابت کرنے کے لیے جناب پرویزؒ نے جا بجا، بائیبل کے بیانات کا سہارا لیا کچھ یہودی اور عیسائی مفکران کی کتب کا حوالہ دیا۔ اور بعض ایسے واقعات بھی بیان کیے، جن کی کوئی سند بھی پیش نہ کی۔ لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ جناب پرویزؒ کے بیان کردہ واقعات گویا کہ ان کے سامنے ہوئے ہوں، اور وہ ان کے چشم دید گواہ ہوں۔

جناب پرویزؒ کے بیان کردہ، اس "مخصوص ماحول" کو بیان کرنے سے پہلے، میں جناب پرویزؒ کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کرنا چاہوں گا، جو انہوں نے کتب سابقہ کے حوالے سے لکھا۔ لیکن بد قسمتی سے، اس سارے معاملے میں، انہوں نے ان کتب سابقہ ہی کو پیش کیا۔ پرویز علیہ رحمہ فرماتے ہیں۔

"اناجیل اربعہ (متی، مرقس، لوقا، یوحنا) عیسائیوں کے نزدیک مستند صحف مقدس ہیں۔ یہ اناجیل کس طرح وقوع پذیر ہوئیں، اور ہم تک کس طرح پہنچیں یہ تفصیل طویل ہے۔ سردست اتنا سمجھ لینا کافی ہو گا کہ اناجیل کو نہ حضرت عیسیٰ علیہ سلام نے خود لکھا، اور نہ لکھوایا۔ بلکہ آپ کے بعد آپ کے شاگردوں (حواریوں) نے از خود روایتاً مرتب کیا۔ یعنی یہ کتابیں حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کی تاریخ ہیں۔ لیکن تاریخی اعتبار سے بھی یہ مجموعے اس قدر ناقابل اعتماد ہیں، کہ خود عیسائی مورخین و محققین، ان کے بیانات پر بھروسہ نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ اس دعوے کو بھی محل نظر سمجھتے ہیں کہ یہ اناجیل جن حواریوں کی طرف منسوب ہیں، درحقیقت ان ہی کی تالیف ہیں"

شعلہ مستور، صفحہ نمبر 14 از جناب پرویزؒ

قرآن کریم نے واضح الفاظ میں، سابقہ کتب آسمانی کی تحریف کا ذکر کیا ہے۔ اور قرآن کریم کا یہ بیان ہی ہمارے لیے کافی ہے۔

لیکن اس کے باوجود، خود اپنی مذکورہ بالا تحریر کی روشنی میں، پرویزؒ کے پاس کون سا جواز رہ جاتا تھا، کہ وہ ان ہی محرف کتب سے جابجا، اقتباسات لے کر، اپنے موقف کو مضبوط بنیاد فراہم کریں؟؟

بظاہر دعویٰ تو یہ کیا جاتا ہے کہ جناب یہ حوالے، ان کتب اور قرآن کریم کے درمیان سچ جھوٹ کو سامنے لانے کے لیے دیئے جاتے ہیں، لیکن آگے جا کر آپ دیکھیں گے کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جناب پرویزؒ کا سارا فلسفہ "مریمؑ و عیسیٰؑ" ان محرف کتب اور عیسائی مصنفین کی تصانیف کے گرد گھومتا ہے۔ پرویزؒ نے اس ضمن میں جو کچھ بھی تحقیق کے نام سے پیش کیا ہے، وہ ان محرف کتب اور ان عیسائی مصنفین کا نقطہ نظر ہے۔

چارج شیٹ بنام اللہ رب العزت

مریم صادقہؑ کے متعلق، پرویز علیہ رحمہ نے لکھا۔۔

" پیدائش عیسیٰؑ اگر ایک معجزہ تھا، تو اسے بہر حال اللہ تعالیٰ کا معجزہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن آپ کچھ وقت کے لیے اپنے جذبات کو الگ رکھ کر سوچیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اس معجزے کو دکھانے کے لیے جو طریق اختیار فرمایا۔ اس نے معصوم بچی مریم کو کن مشکلات میں پھنسا دیا۔ آپ سوچیئے، ایک جوان ناکتخدا (غیر شادی شدہ) لڑکی کو حمل قرار پا جائے، اور اس طرح اس کے یہاں لڑکا بھی پیدا ہو جائے تو معاشرے میں اس کی کیا حالت ہو گی۔ کیا وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل رہے گی۔ کیا وہ اپنے گھر والوں کے یہاں جا سکے گی۔ کیا وہ اس معاشرے کا سامنا کر سکے گی۔

سوچیئے اس کی زندگی کس قدر اجیرن ہو جائے گی۔

کہا جائے گا کہ اس میں حضرت مریم کا کوئی قصور نہ تھا ایسا اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔ لیکن ایسا کہتے وقت اس پر غور کیجیئے، کہ کیا حضرت مریم کے پاس اس کا کوئی ثبوت تھا۔ کہ اس حمل میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ ایسا خدا نے کر دیا ہے۔ کیا وہ اسے کسی صورت ثابت کر سکتی تھیں۔ وہ تو ایک طرف رہیں، کیا حضرت عیسیٰ

بھی کسی طرح یہ ثابت کر سکتے تھے کہ ان کی والدہ اس باب میں بے گناہ ہیں۔ اور ان کا حمل خدا کی طرف سے تھا"

مطالب الفرقان، جلد چہارم صفحہ 73

درج بالا اقتباس پر کیا تبصرہ کیا جائے۔ دور حاضر کی حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کے اکثر ممالک میں آج اس بات کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ گئی کہ کس بچہ کا باپ کون ہے؟ ہے بھی یا نہیں۔

نہ وہاں کنواری لڑکی کے حمل کو غیرت کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے۔

اب ممکن ہے کہ پرویزؒ کے مداح، یہ کہہ کر مجھ پر کفر کا فتویٰ لگا دیں کہ میں زنا کو جائز قرار دے رہا ہوں۔ حالانکہ میں صرف ایک موقف کا سائنسی بنیادوں پر تجزیہ کر رہا ہوں۔ ورنہ اس ضمن میں خدا کا قانون، غیر متبدل ہے، ہم سب پر نافذ ہے۔

ممکن ہے یہ کہا جائے کہ جناب یہ تو دور حاضر کی بات ہے۔ لوگ ماڈرن ہو گئے ہیں۔ مریم صادقہؓ کے زمانے کی بات دوسری تھی، اس وقت تو کسی کنواری کا بچہ پیدا کرنا، زندگی اور موت کا مسئلہ ہوتا تھا۔ لیکن نہیں جناب اس وقت بھی ایسی کوئی صورتحال نہیں تھی۔

مدعی بھاری ہے خود تجھ پہ گواہی تیری

آیئے اس بات کو جناب پرویزؒ کی زبانی ہی سن لیتے ہیں۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ یہودی معاشرے میں فحاشی اور اخلاق باختگی اس قدر عام ہو چکی تھی، کہ ان میں عصمت کی اہمیت کا احساس تک باقی نہیں رہا تھا۔ وہ اس معاملے میں اس قدر حدود فراموش ہو چکے تھے کہ اپنی فحاشیوں کو "شرعاً جائز" قرار دینے کے لیے اپنے اسلاف کے مذہبی پیشواؤں کی نجی زندگی کی نہایت شرمناک تصاویر پیش کرنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجز اینڈ ایتھکس جلد سوم، میں عصمت زیر عنوان درج ہے۔ آپ نے ہندوؤں کے مندروں میں "دیوداسیوں" کا نام تو سنا ہو گا، یہ جوان لڑکیاں اپنی زندگی دیوتاؤں کی خدمت کے لئے وقف کر دیتی ہیں اور مندروں کے پجاریوں اور یاتریوں (زائرین) کی جنسی ہوس کی تسکین کا فریضہ سر انجام دیتی ہیں۔ جس طرح ہندوؤں کے یہاں اس مذہبی قحبہ گری (Religious Prostitution) کا رواج تھا (اور ہے) اس ہی طرح یہودیوں کے یہاں بھی یہ قبیح رسم عام تھی۔

ان کے معابد (Temples) میں اس قسم کی عورتیں یہ ہی "فرائض" سرانجام دیتی تھیں۔ مستزاد یہ کہ ان کے یہاں اس قسم کے مرد بھی ہوتے تھے۔ اس سے قوم لوط کی جو حیا سوز داستان قرآن کریم میں مذکور ہے وہ باآسانی سمجھ میں آجائے گی۔ ان عورتوں کو (Qedeshan) اور ان مردوں کو (Qadeshoth) کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

یہ عورتیں اور (غالباً مرد بھی) اپنی آمدنی یہوداہ (یہودیوں کے خدا) کی نذر کرتی تھیں۔ عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا۔

اس ملک کی ہر عورت کے لیے ضروری تھا، کہ وہ اپنی زندگی میں ایک مرتبہ کسی معبد میں اجنبی مرد سے جنسی اختلاط کرے۔ اس "فریضہ" کی ادائیگی ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے لازمی تھی۔ حتیٰ کہ ان عورتوں کے لئے بھی جو امراء کے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بڑے شاہانہ انداز سے وہاں جاتی تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ یہ سب عورتیں اپنے سر پر ایک دھاگہ لپیٹ کر دو قطاروں میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجاتیں۔ اور درمیان میں راستہ چھوڑ دیتیں۔ اجنبی یاتیریوں میں سے جس کی پسند میں جو عورت آجاتی وہ اس کی طرف چاندی کا سکہ پھینک دیتا، اور اس سے معبد کی دیوی کے نام پر خود سپردگی کا مطالبہ کرتا۔ اس پر وہ اس کے ساتھ ہو لیتیں۔ اور اس کی جنسی ہوس کا تقاضا پورا کرتیں۔

یہودیوں میں مذہبی پیشواؤں میں ربی (Rabbi) کا مقام خاصہ بلند تھا۔۔۔ کہا جاتا ہے کہ ربی (Abbar Arika) جب بھی (Qardaeshir) کو ملنے جاتا تو عام منادی کروادی جاتی کہ کیا کوئی عورت اس کے قیام کے دوران اس کی بیوی بننے کو تیار ہے۔ اس طرح کا اعلان ربی (Nachman) کے لیے بھی کیا جاتا تھا۔ جب وہ (Shechanzib) کی ملاقات کے لئے جاتا۔ جب ان کے مذہبی پیشواؤں کی یہ حالت تھی تو ان کی عوام کی بے راہروی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ان کے یہاں زناکاری روزمرہ کا ماحول بن چکی تھی۔ یروشلم کی تباہی کے زمانے میں زانیوں کی اس قدر کثرت ہوگئی تھی کی ربی (Johanan) نے اس کی سزا کا خیال ہی ترک کردیا"

مطالب الفرقان جلد چہارم، صفحہ 76-75

غور فرمایا آپ نے۔ اللہ کریم کے خلاف جو "چارج شیٹ" جناب پرویزؒ نے جاری کی۔ کہ جناب دیکھیں یہ کتنی شرمندگی کی بات ہے کہ اس خدا نے مریم صادقہؓ کو، بغیر کسی مرد کے جسمانی اختلاط کے حاملہ کر دیا جس کی وجہ سے وہ اس معاشرے میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں۔

اس معاشرے کی اپنی اخلاقی اقدار کیا تھیں؟؟

دوبارہ پڑھیے۔۔

" اس ملک کی ہر عورت کے لیے ضروری تھا، کہ وہ اپنی زندگی میں ایک مرتبہ کسی معبد میں اجنبی مرد سے جنسی اختلاط کرے۔ اس " فریضہ " کی ادائیگی ہر طبقہ کے لوگوں کے لیے لازمی تھی۔ حتیٰ کہ ان عورتوں کے لئے بھی جو امراء کے گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ یہ بڑے شاہانہ انداز سے وہاں جاتی تھیں۔ قاعدہ یہ تھا کہ یہ سب عورتیں اپنے سر پر ایک دھاگہ لپیٹ کر دو قطاروں میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے آجاتیں۔ اور درمیان میں راستہ چھوڑ دیتیں۔ اجنبی یاتیریوں میں سے جس کی پسند میں جو عورت آجاتی وہ اس کی طرف چاندی کا سکہ پھینک دیتا، اور اس سے معبد کی دیوی کے نام پر خودسپردگی کا مطالبہ کرتا۔ اس پر وہ اس کے ساتھ ہو لیتیں۔ اور اس کی جنسی ہوس کا تقاضا پورا کرتیں۔

مطالب الفرقان جلد چہارم، صفحہ 76-75

معبد خانوں میں موجود راہبات، تو ایک طرف، عام شرفا وامراء کے گھرانوں کی عورتیں بھی، قطار در قطار آمنے سامنے بیٹھ جاتی تھیں، اور جو مرد چاہتا تھا، ان شرفا کی عورتوں تک سے جنسی تمتع حاصل کر لیتا

تھا۔ کیا ایسے معاشرے میں، واقعی مریم صادقہؑ کو ویسی ہی پریشانیوں کا سامنا ہوا ہو گا، جیسا جناب پرویزؒ نے خدا کے خلاف اپنی "چارج شیٹ" میں بیان کی ہیں ؟

ایک ایسا معاشرہ جہاں سب کے سب زنا جیسے فعل قبیح کو جائز، بلکہ مقدس سمجھتے ہوں، وہاں اس بات پر کوئی ہنگامہ کس طرح برپا ہو سکتا تھا، کہ اگر کوئی کنواری لڑکی، بچے کی ماں بن جائے ؟؟

مریم صادقہؑ کے معاملے میں، اللہ کریم نے جو کچھ بھی کیا ہو گا، وہ اس کے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے عین مطابق ہی ہو گا۔ وہ خدا جو "العزیز" بھی ہے، تو "الحکیم" بھی ہے۔ ہم کس طرح اپنے اس رب سے کسی ایسے عمل کی توقع کر سکتے ہیں، جو اصول و ضابطہ کے خلاف ہو ؟؟

وہ خدا جس نے تخلیق انسانی کی ابتداء میں، بغیر مرد و عورت، بغیر ماں و باپ کے، اسے پیدا کیا۔

اور اس کا یہ عمل اگر باعث ندامت نہیں ہے، خلاف قانون نہیں ہے۔

اگر آج اس خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوق انسان، روزانہ کسی بھی عورت کو کسی مرد سے جسمانی اختلاط کے بغیر حمل ٹھہرانے پر قادر ہو چکی ہے۔ اور اس کا یہ عمل بھی قاعدے اور قانون کے مطابق مانا جاتا ہے۔ اخلاق باختہ نہیں کہلاتا۔ اگر یہ ہی عمل اس خدا نے صدیوں پہلے، اپنی قدرت کاملہ سے کیا، تو خدا کا یہ عمل کس طرح، خلاف قانون اور اخلاق باختہ ٹھہرتا ہے ؟؟

صرف اس لیے نہ کہ۔۔۔ جناب پرویزؒ اور ان کے خیال سے متفق چند دوسرے لوگ، اپنے آج کے مشاہدہ کو ہی قانون خداوندی سمجھنے کی غلطی کر رہے ہیں۔ اپنی کوتاہی، اور کم فہمی کو خدا کی زیادتی سے تعبیر کر رہے ہیں۔

اپنے موقف کی تائید میں جناب پرویزؒ نے سابقہ کتب آسمانی، انسائیکوپیڈیا وغیرہ کے حوالے دیئے ہیں، کیا یہ بات باعث حیرت نہیں، کہ ایک طرف جناب پرویزؒ کا اپنے دور کی کتب روایات کے حوالے سے یہ موقف ہو کہ یہ کتابیں ظنی ہیں۔ یہ دین نہیں ہو سکتیں۔ جب کہ ان کتابوں پر اللہ نے بھی کوئی فتویٰ صادر نہیں کیا۔

لیکن انکے مقابلے میں، ایسی کتب جن کے محرف ہونے کا فتویٰ خود اللہ کریم نے صادر فرمایا ہو، اور ایسے انسائیکلوپیڈیا، یا عیسائی مصنفین کی تحقیقات، جو جناب پرویزؒ کے موقف کے حق میں ہوں، نہ صرف یہ کہ وہ جناب پرویزؒ کے نزدیک مستند ٹھہرتی ہیں، بلکہ قرآن کریم کی ساری تشریح، ان محرف کتب کے بیانات کی روشنی میں کرنے کا "شرک" بھی بڑے ڈھڑلے سے کیا جاتا ہے۔

لیکن بات یہیں تک محدود نہیں ہے۔ یہاں تو صورتحال ایسی بھی ہے کہ جناب پرویزؒ، اپنے موقف کو درست ثابت کرنے کے لیے، ایک مخصوص ماحول تخلیق کرتے نظر آتے ہیں، ایسی داستانیں بیان کرتے ہیں، جن کی سند میں، کسی محرف کتاب کا حوالہ بھی دستیاب نہیں، نہ ہی کسی نام نہاد عیسائی مصنف کی کوئی تحریر۔

جناب پرویزؒ، لکھتے ہیں۔

"ان دو چار مثالوں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہودیوں کی عبادت گاہوں میں کیا کچھ ہوتا تھا۔ اس میں مرکزی حیثیت "یروشلم" کے ہیکل کو حاصل تھی۔ یہودیوں کے ہاں شروع میں خانقاہیت کا رواج نہ تھا۔ اس لیے ہیکل شرعی رسوم و مناسک کا ہی مرکز تھا۔ اس کی حیثیت خانقاہ کی نہیں تھی۔ یہ بعد کی اختراع ہے۔ ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے ہاں یہ رواج حضرت عیسیٰؑ کی ولادت سے کچھ ہی عرصہ پہلے شروع ہوا تھا۔

ابتداء ہیکل میں، صرف مرد راہب ہوتے تھے۔ جو عمر بھر تجرد کی زندگی بسر کرنے کا عہد کرتے تھے، اس کے بعد وہاں راہبات کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا۔ جیسے عیسائی خانقاہوں میں (Nuns) ہوتی ہیں۔ شروع میں ہیکل کا ضابطہ یہ تھا، کہ راہبات زمانہ قبل از بلوغ تک ہیکل میں رہتی تھیں۔ پھر اس میں یہ ترمیم کی گئی کہ انہیں ساری عمر راہبہ کی حیثیت سے رہنا ہو گا۔ عام حالات میں انہیں تجرد کی زندگی بسر کرنی ہوتی تھی لیکن بعض خاص حالات میں ہیکل کے پجاریوں میں سے کسی کے ساتھ ان کی شادی بھی ہو سکتی تھی۔ وہ نہ تو ان پجاریوں کی جماعت سے باہر کسی سے شادی کر سکتی تھیں۔ اور نہ ہی ہیکل چھوڑ کر جا سکتی تھیں۔ اس ضابطہ کی خلاف ورزی شرعی جرم کا ارتکاب قرار پاتا تھا۔ ان کی شریعت کسی راہبہ کی پجاریوں کے باہر کسی مرد سے شادی کو جائز قرار نہیں دیتی تھی اسے وہ زنا تصور کرتے تھے۔ اور اس کی اولاد کو ولد الزنا۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ نمبر 76

ایک بار نہیں، کئی بار مندرجہ بالا اقتباس کو پڑھیں۔ اس پر تفکر و تدبر فرمائیں۔ کس قدر معلومات کے خزانے، بغیر کسی سند کے بیان کر دیئے گئے۔ مریم صادقہؓ کی ہیکل میں آمد، اور حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، عام عقل کے مطابق، زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس سال کا عرصہ ہو گا۔ جو حالات وواقعات، اقتباس بالا میں پیش کیے گئے ہیں، یہ ان ہیکل میں خانقاہیت سے پہلے کے ہیں جیسا کہ جناب پرویزؒ نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں۔

" ان دو چار مثالوں سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہودیوں کی عبادت گاہوں میں کیا کچھ ہوتا تھا۔ اس میں مرکزی حیثیت "یروشلم" کے ہیکل کو حاصل تھی۔ یہودیوں کے ہاں شروع میں خانقاہیت کا رواج نہ تھا۔ اس لیے ہیکل شرعی رسوم و مناسک کا ہی مرکز تھا۔ اس کی حیثیت خانقاہ کی نہیں تھی۔ یہ بعد کی اختراع ہے۔ ان کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان کے ہاں یہ رواج حضرت عیسیٰ کی ولادت سے کچھ ہی عرصہ پہلے شروع ہوا تھا۔۔

یعنی جب حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کا زمانہ آیا، اس وقت ہیکل کے یہ حالات نہ تھے۔ بلکہ اس مرحلہ پر تو ہیکل میں خانقاہیت در آئی تھی، اور وہاں کے حالات، خود پرویزؒ، کے بیان کے مطابق کچھ اس طرح تھے

جیسا کہ انہوں نے لکھا۔۔

" انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجز اینڈ ایتھکس جلد سوم، میں عصمت زیر عنوان درج ہے۔ آپ نے ہندوؤں کے مندروں میں "دیو داسیوں" کا نام تو سنا ہو گا، یہ جوان لڑکیاں اپنی زندگی دیوتاؤں کی خدمت کے لئے

وقف کر دیتی ہیں اور مندروں کے پجاریوں اور یاتریوں (زائرین) کی جنسی ہوس کی تسکین کا فریضہ سر انجام دیتی ہیں۔ جس طرح ہندوؤں کے یہاں اس مذہبی قحبہ گری (Religious Prostitution) کا رواج تھا (اور ہے) اس ہی طرح یہودیوں کے یہاں بھی یہ قبیح رسم عام تھی۔

ان کے معابد (Temples) میں اس قسم کی عورتیں یہ ہی "فرائض" سرانجام دیتی تھیں۔ مستزاد یہ کہ ان کے یہاں اس قسم کے مرد بھی ہوتے تھے۔ اس سے قوم لوط کی جو حیا سوز داستان قرآن کریم میں مذکور ہے وہ باآسانی سمجھ میں آجائے گی۔ ان عورتوں کو (Qedeshan) اور ان مردوں کو (Qadeshoth) کہہ کر پکارا جاتا تھا۔

یہ عورتیں اور (غالباً مرد بھی) اپنی آمدنی یہوداہ (یہودیوں کے خدا) کی نذر کرتی تھیں۔ عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا۔

مطالب الفرقان جلد چہارم، صفحہ 76-75

تو گویا یہ بات تو خود جناب پرویزؒ، تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ، کی پیدائش سے کچھ پہلے، اس ہیکل کے وہ حالات نہ تھے، جس میں کسی راہبہ کی شادی میں کوئی رکاوٹ ہو۔ جیسا کہ جناب پرویزؒ خود اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ " عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا۔

اس وقت تو پورا معاشرہ عموماً اور ان کے ہیکل خصوصاً، زنا کے مراکز میں تبدیل ہو چکے تھے۔

تمام کی تمام راہبات بمعہ ان کے مذہبی پیشواؤں کے، اس فعل قبیح کے مرتکب تھے۔ ان کی نظر میں، یہ بات تو معیوب ہی نہیں رہ گئی تھی کہ ہیکل کی کوئی راہبہ، کسی مرد سے ناجائز جسمانی تمتع حاصل کرے، بلکہ یہ عمل تو ایک مقدس فریضہ میں تبدیل ہو چکا تھا۔

اب اگر واقعی اس ہی طرح کا ماحول تھا۔ تو پھر مریم صادقہؒ کے یہاں بن باپ کے بچے کی پیدائش کس طرح، ناجائز کہلائی جا سکتی تھی؟؟

کس طرح وہ معاشرہ جو خود دن رات یہ "مقدس" فریضہ سرانجام دے رہا تھا، صرف اور صرف مریم صادقہؒ سے معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اس طرح کے کسی ناجائز فعل پر لعن طن کر سکتا تھا؟

کس طرح جناب مریم کا جینا دوبھر ہو سکتا تھا؟

سچ تو یہ ہے کہ جب انسان اپنے ذہن میں موجود کسی باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس ہی طرح کے متضاد بیانات اور بے اصول موقف کا ارتکاب کرتا ہے۔

جناب پرویزؒ، اور ان کے ہم موقف چند رفقاء کا یہ باطل عقیدہ ثابت ہی نہیں ہو سکتا، اگر اس وقت ہیکل کے ایسے حالات اور ایسا پس منظر سامنے نہ لایا جائے۔ قرآن کریم میں "عیسیٰ ابن مریم" کے الفاظ کی تکرار، کا جواب صرف یہ ہی ممکن تھا کہ چونکہ اس وقت ہیکل کے حالات ایسے تھے، اور مریم صادقہؒ نے ان حالات سے بغاوت کی تھی، اس وجہ سے وہ اتنی مشہور ہو گئیں تھیں کہ ان کے بیٹے کو جو ایک نبی تھا، ان کے نام سے پہچان ملی۔

گویا کہ وجہ افتخار مریم صادقہؒ کے لیے یہ نہ تھی کہ وہ اللہ کے ایک نبی کی ماں تھیں، بلکہ اللہ کے ایک نبی کے لیے وجہ افتخار یہ بات تھی کہ وہ مریم صادقہؒ کے بیٹے تھے۔

اوپر جو واقعات جناب پرویزؒ نے مختلف محرف کتب اور عیسائی مصنفین کی تصانیف سے نقل کئے ہیں، اور چونکہ یہ بیانات جناب پرویزؒ کے نظریہ اور عقیدہ کے عین مطابق ہیں، یا ممکن ہے کہ جناب پرویزؒ، ان بیانات کو پڑھ کر ہی، اس عقیدہ کے حامی بنے ہوں (اور میرے خیال میں یہ ہی بات درست بھی ہے) لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ان واقعات کو بیان کرتے وقت، جناب پرویزؒ نے اپنے ہی اختیار شدہ ایک اصولی موقف سے روگردانی کرلی۔

کتب روایات، بخاریؒ و مسلمؒ وغیرہ میں، جب بھی کوئی ایسی روایت سامنے آئی، جس سے صحابہ کرام کے حوالے سے کوئی منفی بات سامنے آتی ہو، مثلاً ایسی جنگوں کا بیان جس میں صحابہ بمقابلہ صحابہ نظر آتے ہوں، جناب پرویزؒ، قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں، جہاں اللہ کریم نے ان صحابہ کرام کے اوصاف بیان کیے ہیں، ان کے آپس کے تعلقات کے ستائش کی ہے، ان کے لئے جنت کی بشارت دی ہے ایسی روایات کو مسترد کر دیتے ہیں۔ میرے نقطہ نظر کے مطابق، ان کا یہ موقف بلکل درست ہے۔

تو کیا یہ بات ایک سوالیہ نشان بن کر جناب پرویزؒ کے کردار پر نوحہ کناں نہیں کہ وہ ان فرضی افسانوں کی بنیاد پر اس جھوٹ کو سچ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ ایک ایسے وقت میں جب اس معاشرے میں، اور خصوصاً اس ہیکل میں اللہ کا ایک اولعزم نبی، حضرت ذکریاؑ، موجود تھے، یہ سارے افعال قبیح جاری و

ساری تھے؟؟

ان عبادت گاہوں میں، اللہ کے احکامات کی ایسی کھلم کھلا بغاوت ہو رہی تھی۔

اس طرح کے اخلاق سوز واقعات وقوع پذیر ہو رہے تھے۔

کیا اللہ کے ایک نبی کی موجودگی میں اس طرح کی خرافات کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔

اپنے اختیار شدہ اصولی موقف کے مطابق، کیا پرویزؒ پر یہ لازم نہ تھا کہ وہ ان جھوٹی داستانوں کو، قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھ کر، مسترد کر دیتے۔ اس بات کا بانگ دہل اعلان کرتے کہ قرآن کریم نے نبی کا جو کردار بیان کیا ہے، جو شان بیان کی ہے، اس کی موجودگی میں اس طرح کے افعال کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

جناب پرویزؒ نے بائیبل کے بتائے ہوئے اس وقت کے واقعات، اور غیر مستند تاریخ سے "ہیکل" کے ماحول، وہاں کی شریعت، وہاں کے قوانین کے حوالے سے جو تحقیق پیش کی ہے، اگر انہیں حرف بہ حرف ایسا ہی مان لیا جائے، تو سوچیں، اللہ کریم کے ایک جلیل القدر پیغمبر کے کردار کے حوالے سے کیا کیا سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ ذرا غور فرمائیں۔

کسی قوم پر اللہ کا نبی کس لیے آتا ہے؟ کیا کرنے آتا ہے؟

کیا اس کا یہ ہی کردار ہوتا ہے کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اللہ کی عبادت گاہوں میں، ایسے انسانیت سوز

کام ہو رہے ہوں، اور وہ نبی اس کا حصہ بن جائے؟؟

وہ اس ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے کی بجائے اس ماحول کا حصہ بن جائے؟؟

وہ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، معصوم مریم کو ہیکل کے مکروہ احبار و رہبان کے پنجہ استبداد میں دے کر، خود ایک بچہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہو؟؟

کیا کسی نبی کا یہ ہی کردار ہوتا ہے؟؟

کیا یہ بات کسی طرح سے بھی قابل قبول ہے؟؟

اللہ کا نبی، اپنے رب کے عطا کئے ہوئے قوانین کے عملی نفاذ کے لئے اپنے لوگوں میں آتا ہے۔

وہ اپنی قوم میں موجود سارے غیر دینی عقائد و نظریات کے خلاف جنگ کرتا ہے۔

یا تو وہ اس جنگ میں کامیاب ہوتا ہے، یا پھر اپنی زندگی قربان کر دیتا ہے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ کا ایک نبی موجود ہو، اس کے سامنے قوانین خداوندی کی خلاف ورزی ہو رہی ہو، اور وہ خاموشی سے اس نظام کا حصہ بن کر کام کرتا رہے؟؟

میرا خیال ہے اس سے بڑی توہین رسالت ہو نہیں سکتی۔

حضرت ذکریاؑ، کی وہاں موجودگی، اتنی سہولت کے ساتھ وہاں کے لوگوں کے ساتھ رہائش، اس بات کی

غماز ہے کہ اس وقت وہاں کوئی بھی ایسی سر گرمی نہیں ہو رہی تھی جو منشاء ربی کے خلاف ہو۔ پیغمبر کسی بھی صورت اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا۔ وہ ایسے ماحول میں رہ ہی نہیں سکتا۔

اگر اس وقت "ہیکل" کے حالات ویسے ہی تھے، جیسے جناب پرویزؒ نے بیان کیے ہیں، تو پھر بغاوت تو اللہ کے نبی کو کرنی چاہیئے تھی۔ لیکن وہ تو وہاں بڑے سکون کے ساتھ مریم صادقہؓ کی پرورش کر رہے تھے۔ گویا کہ اللہ کریم نے انہیں منصب نبوت سے محض اس لیے سرفراز فرمایا تھا، تاکہ وہ مریم صادقہؓ کی پرورش کر سکیں؟؟

آگے جاکر، جہاں جناب پرویزؒ نے اپنے خود ساختہ باطل عقیدہ کو مشرف بہ قرآن کرنے کے لیے، قرآنی آیات کا جس طرح استحصال کیا ہے، آپ دیکھیں گے کہ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ، اللہ کے اس عظیم الشان پیغمبر کا کردار محض ایک "چپڑاسی" کا سا نظر آتا ہے۔ استغفر واللہ

جو ہیکل میں موجود پجاریوں کا ساتھ دے رہا ہے۔ جو ان احبار ورہبان کو ان کی انسانیت سوز کاروائیوں سے روکنے کے بجائے، ان کے ساتھ رہ رہا ہے۔ جو ایک معصوم بچی، جسے اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنی بیٹیوں کی طرح پالا پوسا جوان کیا، کا ساتھ دینے کے بجائے ان پجاریوں سے مل گیا، جو اس جوان لڑکی کو ہوس بھری لالچی نظروں سے دیکھ رہے تھے، اسے ہتھیانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اور بالآخر وہ معصوم بچی، ان ظالم و جابر رہبان کے پنجہ سے اکیلی ہی نکل کھڑی ہوئی۔

ذرا غور فرمائیں اس پیغمبر کا کردار؟؟

معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اگر اس مرحلہ پر یہ معصوم بچی ہمت نہ پکڑتی، تو اس نبی نے تو اسے مروا ہی دیا تھا۔

قرآن کریم ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ کا نبی اپنے وقت میں موجود تمام انسانوں کے مقابلے میں ایک بلند مقام کا مالک ہوتا ہے۔ وہ اپنی قوم کا ایک نمایاں انسان ہوتا ہے۔ وہ اپنے رب کا مخلص ترین بندہ ہوتا ہے۔ اس ہی اخلاص کی بناء پر شیطان کا زور اس پر نہیں چلتا۔

نبی اپنے دور کے لوگوں کی فرمائش پر نہیں چلتا۔ بلکہ درست اور غلط راستوں کی نشاندہی کرتا ہے۔

کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا، اس کی راہنمائی فراہم کرتا ہے۔

وہ اپنی قوم کا تزکیہ کرتا ہے۔ انہیں دین و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

ایک ایسی جماعت تیار کرتا ہے جو آخر لامر دین خداوندی کے تمکن کو ممکن بنا دیتی ہے۔

خدا کا یہ نبی، اپنی زندگی کے آخری مرحلے میں تھا۔ عمر کے اس حصے میں، جہاں وہ اپنی اولاد کے ہونے سے بھی مایوس تھا۔ سوال یہ ہے کہ ساری عمر یہ نبی وہاں کیا کرتا رہا۔ کون سا انقلاب برپا کیا۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ اس جگہ کوئی بھی کام، اللہ کے حکم کے مطابق نہ ہو رہا ہو، اور اللہ کا نبی اگر اس قوم کی اصلاح کرنے سے قاصر ہو، تو بھی وہ وہیں پڑا رہے؟؟

ایسی حالت میں قرآن ہمیں انبیاءؑ کی ہجرت کی سنت کا بتاتا ہے۔

ایسے اخلاق سوز ماحول میں رہنے کے مقابلے میں، کیا اس نبی کا یہ فریضہ نہ تھا کہ وہ اس معصوم بچی کو اس اخلاق باختہ ماحول سے نکال کر، خود ہی کہیں اور لے جاتا؟

جس بہادری اور جوانمردی کا مظاہرہ مریم صادقہؓ نے کیا، کیا اس جواں مردی کا مظاہرہ اس نبی کا فریضہ نہ تھا؟

معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ جس ایمانی جرات کا مظاہرہ مریم صادقہؓ نے کیا، وقت کا نبی ان اوصاف سے ہی محروم تھا؟؟؟ استغفر واللہ۔

سچ تو یہ ہے کہ ساری داستان بس ایک باطل عقیدہ اور نظریہ کو درست ثابت کرنے کے لیے گھڑی گئی۔ اگر ہیکل کے ایسے حالات نہ بیان کیے جائیں۔ تو پھر مریم صادقہؓ کا ہیکل سے نکلنا ممکن ہی نہیں رہتا نہ ہی ان کی شادی کا فسانہ بن سکتا تھا۔ اور ایسا ثابت کرنے کے لیے، جناب پرویزؒ نے اپنے ہی اختیار کئے ہوئے پیمانے سے روگردانی کی۔

قرآن کریم میں ایک نبی کی جو شان بیان ہوئی ہے، اس پیمانے کی بنیاد پر، اس طرح کی افسانوی داستان کو مسترد کر دینے کے بجائے، جناب پرویزؒ نے غیر مستند تاریخ، محرف کتب آسمانی، اور عیسائی محققین کی خودساختہ تحقیقات پر انحصار کیا۔ کیونکہ اس کے علاوہ ان کے پاس اپنے باطل عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے کوئی اور راستہ ہی نہ تھا۔

اس حقیقت کو ثابت کرنے کے لیے کہ اس وقت "ہیکل" میں ایسا کچھ نہیں ہو رہا تھا، جو جناب پرویزؒ بیان کر رہے ہیں، قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ قول فیصل ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ [٣:٣٦]

جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا کو خوب معلوم تھا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کے لیے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں [فتح محمد جالندہری]

آیت مبارکہ کے آخری الفاظ پر غور فرمائیں۔

کہا کہ میں اس لڑکی کو، اور اس کی اولاد کو، شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

غور فرمائیں۔ اگر اس وقت "ہیکل" کے یہ ہی حالات تھے کہ وہاں کی راہبہ شادی ہی نہیں کر سکتی تھی، تو پھر کس بنیاد پر ام مریم نے، اپنی بیٹی کی اولاد کی بات کی؟؟

یہ آیت خود اس بات کی دلیل ہے کہ "ہیکل" میں ایسا کوئی قانون نہ تھا۔ بلکہ اس وقت بھی "ہیکل" کی راہبات شادی کیا کرتی ہوں گی، تب ہی تو ان کے یہاں اولاد ہوتی ہو گی۔ اور اس بات کو خود جناب پرویزؒ تسلیم بھی کر رہے ہیں کہ " عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا۔

اس ہی مقام پر ایک اور چشم کشا اور نا قابل تردید حقیقت، حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش کے حوالے سے "نص صریح "کی شکل میں سامنے آتی ہے۔

آیت مبارکہ میں لفظ "ذُرِّيَّتَهَا" حضرت عیسیٰؑ کو ذریت مریم میں ثابت کرتا ہے۔

آپ پورے قرآن کا مطالعہ کرلیں۔ کہیں بھی آپ کو کسی عورت کی " ذریت "کا ذکر نہیں ملے گا۔

" ذریت "کا لفظ، مردوں کی نسبت سے بولا جاتا ہے۔

لیکن اس مقام خاص پر حضرت عیسیٰؑ، کو" ذریت مریم "میں شمار کیا گیا ہے۔

اس ہی نسبت سے " آل عمران "کو" آل ابراہیم "کے ساتھ، فضیلت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ ورنہ آل عمران میں، سوائے حضرت عیسیٰؑ کے کسی اور نبی کی بعثت کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

اور یہ ہی "نص صریح" حضرت عیسیٰؑ کی بغیر باپ کے پیدائش کو ثابت کرتی ہے۔

ایک ایسی واضح آیت کی موجودگی میں، اور خود اپنے بیان کی روشنی میں، جو اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ اس وقت راہبات شادی کیا کرتی تھیں، پرویزؒ نے کس طرح اس آیت مبارکہ سے پیچھا چھڑایا، آیئے اس پر غور کرتے ہیں۔ جناب پرویزؒ سورہ آل عمران کی آیت مبارکہ 3:36 پیش کر کے لکھتے ہیں۔

" سورہ آل عمران کی جو آیت اوپر درج کی گئی ہے، اس سے مترشح ہوتا ہے کہ جب حضرت مریم کی والدہ نے، منت مانی تھی اس وقت راہبہ کی شادی کا راستہ کھلا تھا تب ہی تو ان کی والدہ نے دعا مانگی تھی" کہ اس

بچی اور اس کی اولاد کو شیطان سے محفوظ رکھا جائے "لیکن راہبہ اپنی شادی صرف "ہیکل" کے راہبوں میں سے کسی کے ساتھ کر سکتی تھی۔ حضرت مریم نے اس غیر خداوندی رسم خانقاہیت کو توڑا تھا۔۔اور یہ ہی ان کا جرم تھا ، جس کی وجہ سے "ہیکل" کے پیشوا ان کے خلاف ہو گئے تھے "

شعلہ مستور صفحہ۔30

جناب پرویزؒ کے موقف میں موجود اس ایک جملہ کو دوبارہ غور سے پڑھیں۔۔

" لیکن راہبہ اپنی شادی صرف "ہیکل" کے راہبوں میں سے کسی کے ساتھ کر سکتی تھی "

کس سند کی بنیاد پر جناب پرویزؒ، اس بات کے دعوے دار ہیں ؟؟

کون سا خفیہ ذریعہ ہے جناب پرویزؒ کے پاس جس نے انہیں اس وقت کے اس قانون سے آگاہ کیا کہ

" راہبہ اپنی شادی صرف "ہیکل" کے راہبوں میں سے کسی کے ساتھ کر سکتی تھی "

لیکن کسی نے سچ ہی کہا ہے، جب انسان جھوٹ کو سچ کا جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے، تو پھر وہ تضادات کا شاہکار بن جاتا ہے۔

اوپر بیان کیا جا رہا ہے کہ اس وقت قانون یہ تھا کہ راہبہ اپنی شادی صرف "ہیکل" کے راہبوں سے کر سکتی تھی۔ لیکن دوسری جگہ جناب پرویزؒ نے (نامعلوم ذرائع سے حاصل شدہ اختیارات) کو استعمال کرتے ہوئے یہ قانون ہی بدل دیا۔۔۔۔

لکھتے ہیں۔

"اس زمانے میں "ہیکل" کا قانون یہ تھا کہ راہبات سن بلوغ تک "ہیکل" میں رہتی تھیں۔ اس کے بعد وہ دنیاوی زندگی بسر کر سکتی تھیں۔ اس لیے حضرت مریم کی والدہ نے حضرت مریم اور اس کی اولاد کو وساوس شیطانی سے محفوظ رہنے کی دعا مانگی تھی۔

مطالب الفرقان جلد چہارم۔ صفحہ، 78

جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

حقیقت تو یہ ہے کہ نہ اس وقت ایسا کوئی قانون موجود تھا۔ نہ ہی مریم صادقہؓ نے "ہیکل" کے کسی قانون سے بغاوت کی تھی۔ نہ ہی "ہیکل" میں اس طرح کے انسانیت سوز واقعات ہوتے تھے جیسے جناب پرویزؒ نے بیان کیے ہیں۔ اللہ کے ایک نبی کی وہاں موجودگی، ایسی تمام خرافات کے وجود کو مسترد کرتی ہے حقیقت یہ ہے کہ مریم صادقہؓ، حضرت ذکریاؑ کی زیر کفالت "ہیکل" میں ہی عزت اور پاکیزگی کی زندگی گزار رہی تھیں۔

آیئے قرآن کریم سے جناب پرویزؒ نے کیا سمجھا، اور ہم نے کیا سمجھا، اس پر تفکر و تدبر کرتے ہیں۔

سورہ آل عمران میں مریم صادقہؓ کے حوالے سے ارشاد فرمایا گیا۔۔

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ

الْعَلِيمُ [:]فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ [:] [:]فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۖ قَالَ يَا مَرْيَمُ أَنَّىٰ لَكِ هَٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

[۳:۳۷]

(وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے) جب عمران کی بیوی نے کہا کہ اے پروردگار جو (بچہ) میرے پیٹ میں ہے میں اس کو تیری نذر کرتی ہوں اسے دنیا کے کاموں سے آزاد رکھوں گی تو (اسے) میری طرف سے قبول فرما تو تو سننے والا (اور) جاننے والا ہے، جب ان کے ہاں بچہ پیدا ہوا اور جو کچھ ان کے ہاں پیدا ہوا تھا خدا کو خوب معلوم تھا تو کہنے لگیں کہ پروردگار! میرے تو لڑکی ہوئی ہے اور (نذر کے لیے) لڑکا (موزوں تھا کہ وہ) لڑکی کی طرح (ناتواں) نہیں ہوتا اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں، تو پروردگار نے اس کو پسندیدگی کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پرورش کیا اور زکریا کو اس کا متکفل بنایا زکریا جب کبھی عبادت گاہ میں اس کے پاس جاتے تو اس کے پاس کھانا پاتے (یہ کیفیت دیکھ کر ایک دن مریم سے) پوچھنے لگے کہ مریم یہ کھانا تمہارے پاس کہاں سے آتا ہے وہ بولیں خدا کے ہاں سے (آتا ہے) بیشک خدا جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا ہے [فتح محمد جالندہری]

آیات بالا اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے بلکل واضح اور آسان ہیں۔ مریم صادقہؓ کی والدہ نے مریم صادقہؓ کے حمل کے دوران اس وقت کے عقائد کے مطابق، یہ نذر مانی کہ میں اپنا پیدا ہونے والا بچہ، اللہ کے لیے وقف کر دوں گی۔ جب مریم صادقہؓ پیدا ہوئیں، تو اس خیال سے کہ اگر لڑکا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا

،کچھ دل برداشتہ ہوئیں۔ ام مریم نے اس دعا کے ساتھ مریم صادقہؓ کو اللہ کے لیے وقف کر دیا کہ اللہ اس بچی اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے محفوظ فرمائے۔ لیکن اللہ ہر شئے سے واقف تھا۔ اس نے مریم صاوقہؓ کو، قبول کیا اور انہیں ہیکل میں، حضرت ذکریاؑ کی کفالت میں دے دیا۔ جہاں مریم صادقہؓ حضرت ذکریاؑ کی نگرانی میں پرورش پانے لگیں۔

آیئے ان سیدھی سادی آیات سے جناب پرویزؒ نے کیا مفہوم لیا اسے دیکھتے ہیں۔ جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

"اس آیت میں دو تین باتیں قابل غور ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ نے اس نذر یعنی حضرت مریم کو شرف قبولیت عطا فرمائی۔ دوسرے یہ کہ آپ کی پرورش و تربیت نہایت عمدگی سے ہوئی۔ تیسرے یہ کہ بچپن ہی سے آپ کی طبیعت زہد و انزوا کی طرف مائل تھی جس کی وجہ سے آپ محراب قربان گاہ کے قریب معتکف رہتیں۔ اور آپ کے خورد و نوش کا عمدہ ترین سامان وہیں پہنچ جاتا۔ کھانے پینے کی چیزوں کے متعلق دریافت کرنے پر حضرت مریم یہ جواب دیتیں کہ یہ من جانب اللہ ہیں۔

مزید لکھتے ہیں۔۔

" معلوم ہوتا ہے کہ بچپن میں جب حضرت مریم ہیکل میں آئیں تو اس وقت حضرت ذکریاؑ نے انہیں اپنی کفالت میں لے لیا۔ اس پر ہیکل کے متولیوں میں کسی قسم کا کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ لیکن وہ جب بڑھ کر جوان ہوئیں تو اس وقت ان کی کفالت کے اور دعوے دار بھی پیدا ہو گئے۔ اور اس متنازعہ فیہ معاملہ کا فیصلہ قرعہ اندازی سے کیا گیا۔

چنانچہ سورہ آل عمران میں ہے۔

وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ أَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يَخْتَصِمُونَ [٣:٤٤]

اے رسول، تو ان کے پاس نہ تھا جب وہ مریم کی کفالت کے لیے قرعہ اندازی کر رہے تھے۔ اور نہ ہی تو اس وقت ان کے پاس تھا جب وہ اس کے لیے ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے۔

قرآن کریم نے صرف اتنی بات کہہ کر کہ "پجاری ایک دوسرے سے جھگڑ رہے تھے" ساری کہانی بیان کر دی ہے۔ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، ہیکل کے قانون کے مطابق، راہبہ صرف ہیکل کے راہبوں میں سے کسی کے ساتھ شادی کر سکتی تھی۔ جب تک حضرت مریم ایک بچی تھیں، وہ حضرت ذکریاؑ کی کفالت میں رہیں۔ لیکن جب وہ جوان ہوئیں تو جیسا کہ عام طور پر خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ راہبوں کی للچائی ہوئی نظریں ان کی طرف اٹھنا شروع ہو گئیں۔ حضرت مریم ان راہبوں کی اندرونی زندگی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھیں، وہ بڑی پاک باز تھیں، اور پاک باز رہنا چاہتی تھیں اس لیے وہ ہیکل کی زندگی سے بیزار ہو گئیں۔ وہ وہاں سے نکل کر عام پاکباز انسانوں جیسی زندگی بسر کرنا چاہتی تھیں۔ لیکن ان کے ارادے کی راہ میں رہ و رسم خانقاہیت کی انسانوں کی خود ساختہ شریعت حائل تھی۔ اس سے وہ دن رات ایک نفسیاتی کشمکش میں مبتلا رہنے لگیں"

شعلہ مستور، صفحہ 32

جب انسان کے ذہن میں ایک عقیدہ پہلے سے موجود ہو، تو پھر ایک بد قسمتی اس انسان کو گھیر لیتی ہے۔ وہ

اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ کسی طرح سے بھی اس کا نظریہ، عقیدہ ثابت ہو جائے۔ خواہ اس کے لیے اسے قرآن کریم کی آیات کو ان کے سیاق وسباق سے کاٹ کر، ایک مخصوص تناظر میں، کچھ سے کچھ بنادیا جائے۔

اوپر بیان شدہ، سورہ آل عمران کی آیات 3:37 کے بعد، جو آیات بیان ہوئیں ہیں، ان میں حضرت ذکریاؑ کے اپنے بچے کی پیدائش کے حوالے سے دعا کا ذکر ہے۔ پھر اس کے بعد، فرشتوں کا مریم صادقہؒ سے مکالمہ بھی ہے۔۔

یہ بات قابل غور ہے کہ آخر کیوں محترم پرویزؒ نے آیت مبارکہ 3:44 کو اس کے سباق سے الگ کر کے، اس کا من مانا مفہوم متعین کر کے، اس آیت مبارکہ سے پہلے والی آیات کو بیچ میں سے کاٹ، پہلے اس آیت مبارکہ کو بیان کرنا مناسب سمجھا؟؟

کیونکہ اس سے وہ اپنا یہ موقف ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس وقت "ہیکل" میں انسانیت سوز واقعات ہو رہے تھے، اور وہاں کے پجاری جوان مریم کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے، ان کے حصول کے لیے جھگڑ رہے تھے۔ حالانکہ آیت مبارکہ 3:44 میں ایسا کچھ بھی بیان نہیں ہوا۔ سارے کا سارا جناب پرویزؒ کے ذہن کا کرشمہ ہے۔

مجھے تو یہ تحریر پڑھ کر شدید اذیت ہوئی کہ "لیکن جب وہ جوان ہوئیں تو جیسا کہ عام طور پر خانقاہوں میں ہوتا ہے۔ راہبوں کی للچائی ہوئی نظریں ان کی طرف اٹھنا شروع ہو گئیں" مجھے نہیں معلوم جناب پرویزؒ

نے کس دل کے ساتھ ایسے الفاظ تحریر کیے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ اس آیت میں کہیں بھی نہیں کہا جارہا کہ مریم صادقہؑ کی کفالت کے لیے پجاریوں کے درمیان جھگڑا اور قرعہ اندازی، ان کے جوان ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔

بلکہ آیت مبارکہ میں موجود لفظ "يَكْفُلُ" اس آیت مبارکہ کو اس وقت سے متصل کرتا ہے جب مریم صادقہؑ کو بچپن میں "ہیکل" میں لایا گیا۔ یہ اس وقت کی بات ہے۔

اور قرعہ اندازی میں جناب مریم صادقہؑ کی کفالت کی ذمہ داری حضرت ذکریاؑ کے حصے میں آئی۔

اس آیت مبارکہ میں کوئی لفظ بھی ایسا نہیں ہے کہ "پجاری للچائی ہوئی نظروں سے جناب مریم صادقہؑ کو دیکھ رہے تھے۔

اگر اس آیت مبارکہ کا کوئی تعلق مریم صادقہؑ کی جوانی کے دور سے ہوتا، تو اس مرحلہ پر بات کفالت کی کس طرح ہو سکتی ہے؟

خود پرویزؒ نے ایک قانون بیان کیا ہے کہ اس وقت راہبہ ہیکل کے پجاریوں میں سے کسی ایک سے شادی کر سکتی تھی۔

اب اگر کوئی تنازعہ ہوتا تو اس بات پر ہوتا کہ مریم صادقہؑ کی شادی کس پجاری کے ساتھ ہو۔ اس پر قرعہ اندازی ہونے چاہیے تھی۔ لیکن آیت مبارکہ میں موجود لفظ "يَكْفُلُ" جوان مریم کی شادی کے بجائے

بچپن کی مریم کی کفالت کا پتہ دے رہی ہے۔ اس آیت مبارکہ کا تعلق مریم صادقہ رض کے بچپن سے ہے نہ کہ ان کی جوانی کے دور سے۔

قرآن کریم کے عام اسلوب کے مطابق، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو، ماضی کے کچھ واقعات بتائے جاتے تھے، تو اس بات کو لازماً بیان کیا جاتا تھا کہ اے نبی ہم تجھے غیب کی یہ باتیں بتا رہے ہیں، حالانکہ آپ اس وقت وہاں موجود نہ تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ أَجْمَعُوا أَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ [١٢:١٠٢]

اے محمدؐ، یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم تم پر وحی کر رہے ہیں ورنہ تم اُس وقت موجود نہ تھے جب یوسفؑ کے بھائیوں نے آپس میں اتفاق کر کے سازش کی تھی [ابو الاعلی مودودی]

تِلْكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنتَ تَعْلَمُهَا أَنتَ وَلَا قَوْمُكَ مِن قَبْلِ هَٰذَا ۖ فَاصْبِرْ ۖ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ [١١:٤٩]

اے محمدؐ، یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کر رہے ہیں اس سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم، پس صبر کرو، انجام کار متقیوں ہی کے حق میں ہے [ابو الاعلی مودودی]

چنانچہ آیت مبارکہ 3:44 بھی اس ہی طرح کی آیت ہے، جس میں مریم صادقہ رض اور حضرت ذکریاؑ کے حوالے سے کچھ واقعات بیان کرنے کے بعد، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا، آپ وہاں موجود نہ تھے۔ بلکہ ہم آپ کو یہ غیب کی باتیں بتا رہے ہیں۔

آیت مبارکہ 3:44 کو مریم صادقہؓ کی جوانی سے جوڑنا، صرف اپنے باطل عقیدہ کو بنیاد فراہم کرنے کی ناکام کوشش ہی کہا جا سکتا ہے۔ فہم کی غفلت اور شعور کا فقدان ہی کہا جا سکتا ہے۔

مریم صادقہؓ کے ان ابتدائی حالات کو بیان کرنے کے بعد، قرآن کریم، ولادت حضرت عیسیٰؑ کی طرف آتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا [:]فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا [١٩:١٧]

اور اے محمدؐ، اس کتاب میں مریم کا حال بیان کرو، جبکہ وہ اپنے لوگوں سے الگ ہو کر شرقی جانب گوشہ نشین ہو گئی تھی، اور پردہ ڈال کر اُن سے چھپ بیٹھی تھی اس حالت میں ہم نے اس کے پاس اپنی روح کو (یعنی فرشتے کو) بھیجا اور وہ اس کے سامنے ایک پورے انسان کی شکل میں نمودار ہو گیا[ابوالاعلی مودودی]

آیت بالا پر غور فرمائیں۔ اگر ذہن میں کوئی مخصوص نظریہ پہلے سے قائم نہ کیا ہو، تو اس کا سیدھا سادہ ترجمہ یا مفہوم یہ ہے کہ جب مریم صادقہؓ کو ان کی والدہ نے حضرت ذکریاؑ کی کفالت میں "ہیکل" بھیج دیا، تو وہ اپنے اہل و عیال سے الگ ہو کر "ہیکل" کے مشرقی حصے میں ایک پردہ تان کر گوشہ نشین ہو گئیں جہاں اللہ کریم کے حکم سے ایک فرشتہ، انسانی شکل میں ان کے سامنے آیا۔ اس مقام پر اللہ کریم نے اس فرشتہ کو "روحنا" کہہ کر متعارف کروایا ہے۔

آیات بالا، کا مفہوم بیان کرتے ہوئے جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

" اے رسول اب تو اس کتاب قرآن میں، لوگوں سے مریم کا قصہ بیان کر۔ اور سلسلہ کلام کا آغاز اس وقت سے جب وہ خانقاہیت کی زندگی چھوڑ کر اپنے گاؤں ناصرہ میں چلی گئی جو وہاں سے مشرق کی سمت واقع ہے۔

خانقاہیت کی زندگی اور وہاں کے ناخوش آئند واقعات نے اس کے دل پر ایسا اثر چھوڑا تھا، کہ وہ وہاں بھی لوگوں سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ ہم نے ان اثرات کو مٹانے کے لئے اسے زندگی کے خوشگوار پہلوؤں کے متعلق تقویت بخش اشارہ کیا۔ جو اس کے خواب میں ایک اچھے بھلے انسان کی شکل میں سامنے آیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت مریم ہیکل کو چھوڑ کر اپنے آبائی وطن ناصرہ تشریف لے جاچکی تھیں جو یروشلم سے شمال مشرق کی طرف واقع ہے۔

لوقا کی انجیل میں ہے۔

چھٹے مہینے جبرئیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داود کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نامی سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا

لوقا 1:26

آیت 19:16 میں "فتمثل لھا" آیا ہے۔ عربی لغت منتھی الادب میں اس کے معنی " داستان گو" بھی بیان ہوئے ہیں ۔ یعنی کیفیت بیان کرنا۔ اس اعتبار سے اس آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ اس پیغام رساں نے مریم سے اس کے یہاں ہونے والے تندرست و توانا بچے کی کیفیت بیان کی۔

دوسرے مقام پر اس آنے والے کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ملک تھا(13/24)اور ملائکہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتے (9:26)اگرچہ ان کا نزول مومنین پر بھی ہوتا ہے۔(41:30)اس لیے اگر وہ پیغام رساں فرشتہ تھا، تو حضرت مریم کو نظر نہیں آسکتا تھا۔لہٰذا یہ واقعہ خواب کا ہو سکتا ہے۔اور اگر وہ نظر آیا تھا، تو وہ کوئی انسان پیغام رساں ہو سکتا ہے خود لفظ "ملک" کے معنی پیغام رساں بھی ہے۔

شعلہ مستور، صفحہ 34

یہ ہی وہ المیہ ہے جو انسان کو کہیں کا نہیں چھوڑتا۔بجائے اس کے کہ انسان اپنے عقائد و نظریات کو قرآن کریم کی کسوٹی پر پرکھ کر، اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ کرے، انسان، اپنے عقائد و نظریات کو قران کریم سے مستند کروانے کے عمل میں، آیات خداوندی کو مذاق بنا دیتا ہے۔واضح اور کھلے الفاظ سے نظریں پھیر کر، ان کو اپنی مرضی کے معنی دے کر، سمجھتا ہے کہ وہ کامیاب ہو گیا۔لیکن قانون مکافات عمل کی رو سے، ایسے لوگ اپنی اس زندگی اور حیات اخروی کو بھی برباد کر لیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ [:]أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ [۳:۲۲]

یقیناً جو لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور لوگوں میں سے بھی انہیں قتل کرتے ہیں جو عدل و انصاف کا حکم دیتے ہیں سو آپ انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت (دونوں) میں غارت ہو گئے اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہو گا، [طاہر القادری]

آیات مبارکہ (19:16-17) کے حوالے سے جناب پرویزؒ نے دو نکات بیان کیے ہیں۔

1۔۔ جناب مریم صادقہ "ہیکل" چھوڑ کر، اپنے گھر (ظاہر ہے کہ اپنے گھر سے مراد اپنے ماں باپ کا گھر ہی ہو سکتا ہے) جو ہیکل کے شمال مشرق کے ایک شہر ناصرہ میں تھا، وہاں چلی گئیں۔

2۔۔ آیت مبارکہ میں "بشر سویا" سے مراد کوئی داستان گو ہے۔ اگر یہ کوئی فرشتہ تھا، تو یہ ساری بات خواب کی ہے۔ کیونکہ فرشتے نظر نہیں آیا کرتے۔ اور اگر خواب کی بات نہیں ہے، تو پھر یہ کوئی انسان پیغام رساں تھا۔

پہلا نکتہ۔

آپ غور فرمائیں، تحریف قرآنی کی اس سے بڑی مثال شاید ہی کہیں اور مل سکے۔ آیت مبارکہ کے الفاظ دوبارہ پڑھیں۔ کہا" وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا [١٩:١٦]

آیت مبارکہ میں موجود الفاظ "انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا" کتنے صاف الفاظ میں، مریم صادقہؓ کی اپنے اہل خانہ سے جدائی کی خبر دے رہے ہیں۔ کہا جارہا ہے کہ وہ اپنے اہل خانہ سے الگ ہو کر، مشرق کی طرف مکین ہو گئی۔

اگر مریم صادقہؓ " ہیکل " سے نکل کر اپنے گاؤں ناصرہ چلی گئیں تھیں، تو پھر وہ تو اپنے اہل خانہ کے پاس پہنچ گئیں تھیں۔ اہل خانہ سے جدا کیسے ہو گئیں ؟؟

دوسری بات یہ کہ، ناصرہ تو یروشلم کے شمال میں واقع ہے۔ لیکن آیت مبارکہ مشرق کی بات کر رہی ہے لیکن جناب پرویزؒ کے لیے " قرآن کریم " کی گواہی کی اوقات ہی کیا ہے۔ ان کے لیے تو ایک محرف کتاب "لوقا کی انجیل " کا یہ بیان ہی حرف آخر ہے۔ حتمی سند ہے۔۔

" چھٹے مہینے جبرئیل فرشتہ خدا کی طرف سے گلیل کے ایک شہر میں جس کا نام ناصرہ تھا ایک کنواری کے پاس بھیجا گیا جس کی منگنی داود کے گھرانے کے ایک مرد یوسف نام سے ہوئی تھی اور اس کنواری کا نام مریم تھا(لوقا 1:26)

مزید یہ کہ جب مریم صادقہؓ " ہیکل " کی زندگی چھوڑ کر، اپنے آبائی شہر، اپنے ماں باپ کے پاس چلی گئیں تھیں، تو پھر کسی فساد کا جواز ہی کب رہ جاتا ہے۔ یہ سب کچھ تو انہوں نے " ہیکل " کے قانون کے مطابق ہی کیا تھا۔

پرویزؒ نے " ہیکل " کا ایک قانون اس طرح بیان کیا ہے۔

" اس زمانے میں ہیکل کا قانون یہ تھا کہ راہبات سن بلوغ تک " ہیکل " میں رہتی تھیں۔ اس کے بعد وہ دنیاوی زندگی بسر کر سکتی تھیں۔ اس لیے حضرت مریم کی والدہ نے حضرت مریم اور اس کی اولاد کو وساوس شیطانی سے محفوظ رہنے کی دعا مانگی تھی۔

مطالب الفرقان جلد چہارم۔ صفحہ،78

اب اگر مریم صادقہ " ہیکل " کی زندگی چھوڑ کر اپنے گھر چلی گئیں تھیں، تو پھر بعد کے سارے واقعات تو ایک فسانہ ہی رہ جاتے ہیں۔ کیونکہ جب مریم صادقہؑ اپنے گھر پہنچ گئیں ، تو پھر ان پر " ہیکل " کا کوئی قانون لاگو ہی کیسے ہو سکتا تھا۔

اگر انہوں نے وہاں شادی کر لی، تو یہ بات " ہیکل " کے قانون کی خلاف ورزی کے زمرے میں کیسے آتی ہے؟ جبکہ آپ خود اس حقیقت کو بیان کر رہے ہیں کہ " عام طور پر ان عورتوں کی شادی کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اگرچہ بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا۔

جب بعض اوقات ایسا کر بھی لیا جاتا تھا، تو کیوں " ہیکل " کے مذہبی پیشوا ان کے پیچھے پڑ گئے تھے، ان پر معاذ اللہ بے راہروی کا الزام لگا رہے تھے؟؟

دوسرا نکتہ۔

جیسا کہ جناب پرویزؒ نے کہا۔۔

آیت 19:16 میں "فتمثل لھا" آیا ہے۔ عربی لغت منتھی الادب میں اس کے معنی "داستان گو" بھی بیان ہوئے ہیں۔ یعنی کیفیت بیان کرنا۔

اس اعتبار سے اس آیت کا مفہوم یہ ہو گا کہ اس پیغام رساں نے مریم سے اس کے یہاں ہونے والے تندرست و توانا بچے کی کیفیت بیان کی۔

دوسرے مقام پر اس آنے والے کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ ملک تھا (24 / 13) اور ملائکہ کسی کو نظر نہیں آیا کرتے (9:26) اگرچہ ان کا نزول مومنین پر بھی ہوتا ہے۔ (41:30) اس لیے اگر وہ پیغام رساں فرشتہ تھا، تو حضرت مریم کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ لہٰذا یہ واقعہ خواب کا ہو سکتا ہے۔ اور اگر وہ نظر آیا تھا، تو وہ کوئی انسان پیغام رساں ہو سکتا ہے۔ خود لفظ "ملک" کے معنی پیغام رساں بھی ہے۔

اس نقطہ میں جناب پرویزؒ کسی فرشتہ کا ایک انسان کے روپ میں مریم صادقہؒ کے سامنے آنے پر اعتراض فرما رہے ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے کہ "ملائکہ نظر نہیں آیا کرتے" اپنے اس استدلال کی دلیل کے طور پر انہوں نے ایک آیت قرآنی کا حوالہ دیا ہے (9:26)۔ میں وہ آیت مبارکہ یہاں پیش کرتا ہوں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ وَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ [٩:٢٦]

پھر اللہ نے اپنی طرف سے اپنے رسول پر اور ایمان والوں پر تسکین نازل فرمائی اور وہ فوجیں اتاریں کہ جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا اور کافروں کو یہی سزا ہے [احمد علی]

جیسا کہ میں بار بار عرض کرتا چلا آرہا ہوں، یہ کتنی بڑی بد قسمتی ہے کہ اپنے ذہن کے کسی باطل نظریہ کو درست ثابت کرنے کے لیے، قرآن کریم کی آیات کو ہی مذاق بنالیا جائے۔ اس کا ایسا مفہوم پیش کیا جائے، جو اس آیت کے حقیقی معنی سے بلکل متضاد ہو۔ صرف اس لیے کہ ہماری بات ثابت ہو جائے۔

ذرا غور فرمائیں آیت مبارکہ کے سارے الفاظ پر، کیا آپ کو کوئی ایک ایسا لفظ اس میں نظر آتا ہے جس کے معنی "ملائکہ" کئے جائیں؟؟

کیا آپ کو کوئی ایسا قانون بیان ہوتا ہوا نظر آتا ہے جس کی رو سے آپ یہ سمجھ لیں کہ۔۔۔۔۔

" ملائکہ" انسانوں کو نظر نہیں آسکتے۔ کبھی نظر نہیں آئیں گے۔

آیت بالا میں لفظ "جنود" استعمال ہوا ہے۔ آیئے اس کے معنی جناب پرویزؒ کی لغات القرآن سے ہی لے لیتے ہیں۔

" اس کا مادہ "ج ن د" ہے۔ "الجند" سخت زمین، پتھر جو مٹی سے مشابہ ہو۔ "جند"۔ جمع ہو جانے والے لوگ (یا اشیاء) ابن فارس نے کہا ہے اس کے بنیادی معنی اکٹھا ہونے، اور مدد کرنے کے ہیں۔ غلظت اور سختی کی وجہ سے لشکر کو "الجند" کہتے ہیں۔ اس کی جمع "جنود" آتی ہے۔ اور جمع ہو جانے کے اعتبار سے ہر جماعت اور انصار کو "جُند"۔۔

اس سے مراد ایک نوع کی مخلوق بھی ہے (صاحب محیط)

لغات القرآن، صفحہ۔444 از جناب پرویزؒ

قرآن کریم میں اس ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هَلْ أَتَاكَ حَدِيثُ الْجُنُودِ [:]فِرْعَوْنَ وَثَمُودَ [٨٥:١٨]

کیا آپ کے پاس لشکروں کا حال پہنچا فرعون اور ثمود کے [احمد علی]

غور فرمائیں آیت بالا میں اس لفظ "جنود" کے معنی کس طرح نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔۔۔۔اس کے معنی " لشکر "کے ہوتے ہیں۔

اگر اس کے معنی ملائکہ ہوتے، تو پھر کیا ہم فرعون اور ثمود کے پاس بھی ملائکہ کی قوت کو تسلیم کریں؟؟

چنانچہ اپنے موقف کی دلیل کے طور پر، یہ کہنا کہ آیت (9:26) کی رو سے، فرشتے انسانوں کو نظر نہیں آیا کرتے، نظر نہیں آسکتے۔ کتنی بڑی تحریف قرآنی ہے؟؟

پھر اگر ہمارے محترم جناب پرویزؒ، عربی کی گرامر پر ہی غور فرما لیتے، تو شاید کچھ بہتری آجاتی۔ آیت مبارکہ میں لفظ " لَّمْ تَرَوْهَا "کے معنی " نظر نہیں آیا کرتے "کس قاعدے کی رو سے ہو گیا؟؟

اس کے معنی "نظر نہیں آئے "ہے۔ یہ ماضی کا صیغہ ہے۔ کسی موقع پر کسی شئے کا نظر نہ آنا، ہمیشہ کے لیے قانون کیسے بنایا جاسکتا ہے کہ وہ اب کبھی بھی نظر نہیں آسکتا؟؟

سب سے اہم بات یہ ہے کہ اس آیت مبارکہ میں "ملائکہ" کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

اللہ کریم اپنے بندوں کی کن کن لشکروں سے مدد فرماتے ہیں، ان کے متعلق ہم نہیں جانتے۔

کیا اللہ کریم کے پاس صرف "ملائکہ" ہی ہوتے ہیں؟؟

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ [٧٤:٣١]

اور تیرے رب کے لشکروں کو خود اُس کے سوا کوئی نہیں جانتا[ابو الاعلی مودودی]

چنانچہ آیت مبارکہ میں "جنود" سے "ملائکہ" مراد لینا، بہت بڑی کوتاہ بینی ہے۔ لیکن ٹھہریے، یہ کوتاہ بینی نہیں بلکہ اپنے باطل عقیدہ کو درست ثابت کرنے کے لیے، تحریف قرآن ہے۔

آیئے سورہ توبہ کی آیت مبارکہ کا مفہوم جو انہوں نے اپنی کتاب "مفہوم القرآن" میں بیان کیا ہے، خود جناب پرویزؒ کی زبانی سنتے ہیں۔

"پھر اللہ نے مومنین اور اپنے رسول کے دل میں سکون پیدا کر دیا(48:4)اور تمہارے قلوب کی دنیا میں وہ "لشکر" اتارے جنہیں تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ جب اس طرح تمہارے دل کو سکون مل گیا تو میدان جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔ اور فریق مخالف کو سخت سزا ملی۔ زندگی کی صحیح روش سے انکار کرنے والوں کا یہ ہی حشر ہوتا ہے"

مفہوم القرآن سورہ توبہ آیت نمبر 26 از جناب پرویزؒ

قارئین کرام، توجہ فرمائیں اس مفہوم پر جو خود جناب پرویزؒ نے اپنے "مفہوم القرآن" میں بیان کیا ہے۔

اس مقام پر خود جناب پرویزؒ نے "جنود" کے معنی "لشکر" کیے ہیں۔ اور ماضی کا صیغہ "جنہیں تم اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے تھے" استعمال کیا ہے۔ جو اس آیت مبارکہ کا درست ترجمہ ہے۔

اور پھر سوچیں کہ آخر کیوں جناب پرویزؒ نے اپنے نظریہ کو درست ثابت کرنے کے لیے "مطالب الفرقان" میں اس ہی آیت مبارکہ کے مفہوم کو بیان کرتے ہوئے، "مفہوم القرآن" میں اپنے ہی بیان کردہ معنی و مفہوم سے روگردانی کی؟؟

کیوں "جنود" کا مفہوم "ملائکہ" سے بدل دیا؟؟

کیوں ماضی کے ایک واقعہ کو مستقبل کے لیے ایک قانون کے طور پر نافذ کر دیا کہ "ملائکہ نظر نہیں آیا کرتے"؟؟

کیا یہ کھلی تحریف قرآنی نہیں ہے؟؟

اب آیئے اس موقف کی طرف کہ "ملائکہ" انسانوں کو نظر نہیں آیا کرتے۔ عام حالات میں یہ بات درست ہے۔ میں اس مقام پر بات کو فلسفہ کی طرف نہیں لے جانا چاہتا۔ ورنہ بخدا، دیکھنے والی نظر ہو، تو سب کچھ نظر آجاتا ہے، کیا ملائکہ اور کیا کائنات کی دیگر مخلوق۔

بہر حال مان لیتے ہیں کہ عموماً "ملائکہ" نظر نہیں آیا کرتے۔

لیکن اگر وہ رب چاہتا ہے تو ایسا کر بھی دیتا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا ۖ قَالَ سَلَامٌ ۖ فَمَا لَبِثَ أَن جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ [:]فَلَمَّا رَأَىٰ أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۚ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ [:.]وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِن وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ [۱۱:۷۱]

" اور اس ہی طرح قوم لوط کی تباہی ہوئی۔ ان کا قصہ یوں ہے کہ خدا نے اپنے فرستادگان کو ابراہیم کی طرف بھیجا۔ جنہوں نے اسے خوشخبری دی، انہوں نے ابراہیم کو سلامتی کی دعا دی۔ جس کے جواب میں ابراہیم نے بھی ویسی ہی دعا دی۔ اور اس کے بعد بلا توقف ان کے لیے ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آیا۔ کہ مہمانوں کی تواضع کی جاسکے۔ لیکن اس نے دیکھا کہ مہمان کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے۔ اس سے وہ ان کی طرف سے بدگمان ہوا۔ اور دل میں کچھ خطرہ سا محسوس کیا۔ کیونکہ اس ملک کا دستور تھا، کہ جو کسی کے یہاں برے ارادے سے آئے، وہ اس کے یہاں کھانا نہیں کھاتا تھا۔ جب انہوں نے ابراہیم کے ان وساوس کو محسوس کیا تو اس سے کہا کہ ڈرو نہیں۔ ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ تاکہ ان کی تباہی سے پہلے اتمام حجت ہو جائے۔

مفہوم القرآن، از جناب پرویزؒ

اس ہی طرح، آیت مبارکہ (29:33) اور آیت مبارکہ (15:66) میں، حضرت لوطؑ کے پاس "ملائکہ" کا انسانی شکلوں میں آنا، بات کرنا، خود جناب پرویزؒ نے تسلیم کیا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا حضرت ابراہیمؑ اور حضرت لوطؑ، انسان نہ تھے ؟؟

اگر قانون خداوندی ہوتا کہ "ملائکہ" انسانوں کو نظر نہیں آسکتے تو پھر کس طرح ان دونوں انبیاء کرامؑ کو نظر آ گئے ؟؟

کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ یہ دونوں انبیاء تھے اس لیے انہیں فرشتے نظر آ گئے، تو پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا قرآن کریم میں اس بات کی کوئی استثنٰی بھی بیان ہوئی ہے کہ "ملائکہ" سوائے انبیاءؑ کے دوسرے انسانوں کو نظر نہیں آسکتے ؟؟

اس مقام پر ایک اور حقیقت ہمارے سامنے منکشف ہونے کو بے تاب ہے۔

مریم صادقہؑ کی طرف "ملائکہ" کا نزول ہوا، جنہوں نے انہیں ایک ایسے بیٹے کی خوشخبری دی، جو دنیا میں صاحب وجاہت اور آخرت میں اللہ کے مقربین میں سے ہو گا۔ اس بات کو قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ [٣:٤٥]

اور جب فرشتوں نے کہا، "اے مریمؑ! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوش خبری دیتا ہے اُس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا، دنیا اور آخرت میں معزز ہو گا، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا[ابو الا علی مودودی]

آیت بالا ایک فرشتہ کی بات نہیں کر رہی، فرشتوں کی بات کر رہی ہے۔ جمع کا صیغہ ہے۔ یہ کسی ایک آدمی کی بات نہیں ہے۔

دوسرا یہ کہ "ملائکہ" مریم صادقہؓ کو ایک بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہیں۔

اس کا نام بتا رہے ہیں۔ ان کا مقام بتا رہے ہیں۔

اس آیت کے ضمن میں جناب پرویزؒ نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

" حضرت مریم کی طرف ملائکہ کا نزول ایسے ہی تھا جیسے قرآن کریم کی رو سے، ان کا نزول مومنین کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن زیر نظر آیات میں حضرت مریم کو ملائکہ کی طرف سے ہونے والے بیٹے کی خوشخبری دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ سوال جواب کا سلسلہ بھی مذکور ہے۔ اس اعتبار سے یہاں ملک جمع ملائکہ کے ایک معنی پیغام رساں کے بھی ہیں۔ اور یہاں یہ مفہوم زیادہ موزوں نظر آتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ذکریاؑ کی تعلیم کا نتیجہ تھا، جو خدا کے رسول تھے کہ حضرت مریم کے دل میں رسم خانقاہیت کے توڑنے کا انقلاب آفریں خیال پیدا ہوا، اور انہوں نے ہیکل چھوڑ آنے کا اقدام کیا اس پر وہاں کے معاشرے کے رد عمل کی بابت پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ان حالات میں کسی شخص کا حضرت مریم کے ساتھ شادی کرنے کا مسئلہ بھی کچھ آسان نہ تھا۔ اسے بھی معاشرہ اور مذہبی پیشوائیت کے طعن و

تشنیع کا ہدف بنناپڑتا۔یوں نظر آتاہے کہ یہ مشکل مرحلہ بھی حضرت ذکریاؑ کی کوششوں سے طے ہوا۔ انہوں نے یوسف نجار کو اس وادی پر خار میں قدم رکھنے پر آمادہ کیا۔اور یہ سلسلہ جنباتی ان ہی کیطرف سے ہوئی اور یہ پیغام رساں ان ہی کی طرف سے بھیجے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔یہ پروگرام حضرت ذکریاؑ کو خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملاہو گا۔اور انہوں نے اس کے مطابق اقدامات کیے ہونگے۔اس مفہوم کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ دوسرے مقام پر حضرت مریم کی طرف آنے والے کو رسول کہہ کر پکارا گیاہے جس کے معنی قاصد یا پیغامبر کے ہیں۔(19:19) آیت (3:42) میں ملائکہ کہا گیاہے۔تو اس سے سلسلہ جنبانی کا ابتدائی دور سامنے آتاہے۔اور آیت (19:19) جہاں رسول واحد کہا گیاہے تو اس سے اس کا آخری مرحلہ معلوم ہوتاہے۔جہاں یوسف کے ساتھ یہ معاملہ طے پا گیا تھا"

مطالب الفرقان جلد چہارم، صفحہ 95

جب انسان اپنے ذہن میں موجود کسی باطل عقیدہ کو ثابت کرناچاہے، اور اسے کوئی مدلل اور ٹھوس بات نہ ملے تو پھر اس طرح کے فرضی واقعات کا سہارالیناپڑتاہے۔سارا قصہ کہ ایسے ہوا ہو گا، پھر اس طرح ہوا ہو گا۔پھر یوں ہوا ہو گا۔اللہ اللہ خیر صلہ۔

اقتباس بالا پر عقل عام کی بنیاد پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں۔

اس اقتباس میں سارا زور یہ ہے کہ حضرت مریم کی طرف فرشتے نہیں آئے تھے جن سے انہوں نے گفت وشنید کی۔ بلکہ ایک فرضی نام "یوسف نجار" جو ایک محرف کتاب "بائیبل" کا عطا کیا ہوا ہے، اسے حضرت ذکریاؑ نے مریم صادقہؓ سے شادی کے لیے رضامند کیا۔

یوسف نجار نے پہلے اپنے پیغام رسانوں کو حضرت مریم کی طرف بھیجا جنہوں نے ان سے ابتدائی بات کی انہیں قران نے ملائکہ کہا ہے۔ پھر "یوسف نجار" خود مریم صادقہؓ کے پاس آیا اور بات چیت طے کی، اسے قرآن نے "رسول" کہا ہے۔

بہت خوب۔ کیا بات ہے۔ واقعی عقل وشعور کی انتہا ہے۔ بخدا دنیا کا بڑے سے بڑا فلاسفر اتنی عظیم حقیقت کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

سوچیں۔ حضرت ذکریاؑ نے ایک بچی کو بچپن سے اپنی بیٹی کی طرح پالا پوسا جوان کیا۔

پھر بقول جناب پرویزؒ کے خود تو "ہیکل" کے خود ساختہ قوانین سے بغاوت نہیں کی، لیکن اس معصوم بچی کو اس بات پر اکسایا کہ وہ ایسا کرے۔ چلیں، اس بچی نے ایسا ہی کیا۔ اب مرحلہ آیا ان کی شادی کا۔ بقول جناب پرویزؒ، حضرت ذکریاؑ نے "یوسف نجار" کو مریم صادقہؓ کے ساتھ شادی پر رضامند کیا، چلیں یہ بھی ٹھیک۔

اب سوچیں۔ اس مرحلہ پر ہونا کیا چاہیے؟

کیا ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا کہ حضرت ذکریاؑ، مریم صادقہؓ سے بھی خود ہی شادی کی بات کرتے۔ انہیں بتاتے کہ بیٹا، میں نے آپ کے لیے "یوسف نجار" کا انتخاب کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کی شادی اس سے کر دی جائے؟؟

یا یہ ہی بات مریم صادقہؓ کے ماں باپ سے کرتے؟

بجائے اس کے "یوسف نجار" کے کچھ پیغام رساں براہ راست اس پندرہ بیس سال کی معصوم کنواری بچی کی طرف بھیج دیئے۔

کیا آج کے اس ناقص ترین دور میں بھی ہم میں سے کوئی اس بات کا تصور کر سکتا ہے کہ شادی کے حوالے سے بات چیت کے لئے کچھ اجنبی لوگوں کو جوان بیٹی کے پاس براہ راست بھیج دیا جائے؟؟

چلیں، اب "یوسف نجار" کے پیغام رساں مریم صادقہؓ کے پاس آتے ہیں۔

کس لیے آئے ہیں یہ لوگ؟؟؟؟؟

"یوسف نجار" کا رشتہ لے کر آئے ہیں نہ؟؟؟

مریم صادقہؓ کو "یوسف نجار" سے شادی پر آمادہ کرنے آئے ہیں نہ؟؟؟

غور فرمائیں، یہ ملائکہ کیا کہہ رہے ہیں مریم صادقہؓ سے۔

وہ کہہ رہے ہیں۔۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ [٣:٤٥]

اس سلسلہ میں ملائکہ نے مریم سے کہا تھا کہ خدا تمہیں اپنی طرف سے ایک بات کی خوشخبری دیتا ہے، یعنی ایک بیٹے کی جس کا نام مسیح یعنی صفاتی نام مسیح ذاتی نام عیسیٰ اور کنیت ابن مریم، دنیا میں صاحب وجاہت اور آخرت میں خدا کے مقربین میں سے ۔۔

مفہوم القرآن از جناب پرویزؒ

تصور فرمائیں۔ کسی کا رشتہ لے کر کچھ لوگ آج بھی ہماری کسی بہن بیٹی کی طرف آئیں۔

اور آتے ہی اسے ایک بیٹے کی خوشخبری دیں۔ کیا خیال ہے، کتنا خوبصورت منظر ہو گا یہ ؟؟

آنے والے اجنبی، جنہیں مریم صادقہؒ نے پہلے کبھی دیکھا نہ تھا۔ وہ آتے ہیں۔ اور ایک کنواری لڑکی کو بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اس کا نام بھی بتا دیتے ہیں، اس کا مقام بھی بتا دیتے ہیں۔ جس کے جواب میں وہ معصوم بچی، پریشان ہو کر کہتی ہے کہ میرے یہاں بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں۔

غور فرمایا آپ نے۔ اگر آنے والے پہلے "یوسف نجار" کا رشتہ پیش کرتے۔ پیغام نکاح دیتے، تو بھی کچھ بات بن جاتی کہ چلیں جی وہ اتنے ماڈرن تھے کہ شادی کے پیغام کے ساتھ ہی بچہ بھی پیدا کروا دیا۔

یہاں تو مریم صادقہؒ کا یہ جواب کہ "مجھے بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں" صاف بتا رہا ہے کہ شادی کی تو بات ہی نہیں کی گئی۔

آج ہم اکیسویں صدی میں جی رہے ہیں۔ میں عمر کی نصف صدی گذار چکا ہوں۔ جب اپنے بچپن کا زمانہ یاد کرتا ہوں۔ اس وقت کے لوگوں کے بارے میں سوچتا ہوں، تو بے اختیار کہہ دیتا ہوں کہ اس دور کے لوگ فرشتے تھے۔ انتہائی سادہ، شرم و حیا، انسانی اقدار کے مالک ۔

آج بہت تبدیلی آگئی ہے۔ لوگ بہت ماڈرن ہو گئے ہیں۔ لیکن بخدا اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بتائیں، کیا آج کے اس دور خرافات میں بھی اس بات کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ کسی شخص کی طرف سے کچھ پیغام رساں آپ کی بہن بیٹی کی طرف براہ راست چلے جائیں؟؟؟

اور جاتے ہی اس سے شادی وغیرہ کی بات کرنے کے بجائے، ایک بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری دینا شروع کر دیں، اس بیٹے کا نام بھی طے کر دیں۔ سوچیں، کیا آج بھی ایسا ممکن ہے؟؟

بقول جناب پرویزؒ کے، پہلے کچھ پیغام رساں مریم صادقہؒ کے پاس گئے۔ ان سے بات چیت کی۔۔ اس کے بعد فائنل میں "یوسف نجار" خود مریم صادقہؒ کے پاس گیا۔۔

اس کا مطلب تو یہ ہی ہوا کہ "یوسف نجار" مریم صادقہؓ کے لئے اجنبی نہ تھا۔ تو کیا وجہ تھی کہ اسے دیکھ کر جناب مریم نے اس سے خدا کی پناہ مانگی؟؟

اور پھر اس مرحلہ پر بھی غور فرمائیں، اس "رسول" نے، جو بقول جناب پرویزؒ، یوسف نجار تھا، مریم صادقہؓ سے کیا بات کی؟؟

یہ بھی سیدھا بیٹے کی خوشخبری پر آگیا۔

غور فرمائیں، ایک شخص کسی عورت سے شادی کا خواہش مند ہے، وہ اس عورت سے اکیلے میں ملتا ہے، اور آناً فاناً بچہ کی پیدائش کی بات شروع کر دیتا ہے۔ کیا یہ بات کسی طرح سے عقل میں آتی ہے؟؟

کیا واقعی ایک کنواری لڑکی سے اس ہی طرح رشتے کی بات کی جاتی ہے؟؟

لاحول ولا قوت الا باللہ۔۔

اس بات پر بھی غور کیا جائے کہ جب پہلے "ملائکہ" آئے تو انہوں نے بھی، اور جب بعد میں "رسول" آیا

تو اس نے بھی مریم صادقہؓ کو ایک بیٹے کی خوشخبری دی، اس کا نام بھی پہلے سے طے کر دیا۔ اس کا مقام بھی طے کر دیا۔ کیا یہ سارے انسان "عالم الغیب" تھے؟؟

انہیں کیسے پتہ تھا کہ بیٹا ہی ہو گا۔ اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ اللہ کا مقرب ہو گا؟

اور ایسا ہوا بھی۔ آخر کیا سورس تھا ان لوگوں کا۔

یہ دلیل کہ اللہ نے بذریعہ وحی یہ سب کچھ حضرت ذکریاؑ کو بتایا ہو گا، اور حضرت ذکریاؑ نے "یوسف نجار" کو بتایا، "یوسف نجار" نے اپنے پیغام رسانوں کو بتایا۔ ذرا غور فرمائیں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، اللہ کے اس پیغمبر حضرت ذکریاؑ کے کردار کے بارے میں۔۔ استغفر واللہ۔۔

جس لڑکی کو بیٹی کی طرح پالا، جوان کیا۔ اسے غیر مردوں سے بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبریاں پہنچا رہا ہے۔ خدا جانے جناب پرویزؒ کو حضرت ذکریاؑ سے اتنی نفرت کیوں ہے ؟؟

اس طرح کا کردار تو کوئی اپنے باپ یا بھائی کا بھی قبول نہ کرے۔۔۔۔۔ اللہ اکبر۔ لعنت اللہ علیٰ الکٰذبین۔۔۔

پھر اس لفظ " ملائکہ " کو جس طرح موم کی ناک کی طرح موڑ موڑ کر اپنی مرضی و منشاء کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی گئی اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

جناب پرویزؒ، پہلے فرماتے ہیں۔

" حضرت مریم کی طرف ملائکہ کا نزول ایسے ہی تھا جیسے قرآن کریم کی رو سے، ان کا نزول مومنین کی طرف ہوتا ہے۔ لیکن زیر نظر آیات میں حضرت مریم کو ملائکہ کی طرف سے ہونے والے بیٹے کی

خوشخبری دی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ سوال جواب کا سلسلہ بھی مذکور ہے۔ اس اعتبار سے یہاں ملک جمع ملائکہ کے ایک معنی پیغام رساں کے بھی ہیں۔ اور یہاں یہ مفہوم زیادہ موزوں نظر آتا ہے۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 95

آیئے دیکھتے ہیں، خود جناب پرویزؒ نے "ملائکہ" کے حوالے سے دوسری جگہ کیا فرمایا ہے۔

" بعض کے نزدیک اس لفظ کا مادہ "ال ک" ہے جس کے معنی پیغام رسانی کے ہیں۔

اور بعض کے نزدیک اس کا مادہ "م ل ک" ہے، جس کے معنی قوت واقتدار کے ہیں۔ ہم دوسرے خیال کے موئید ہیں، کیونکہ قرآن کریم میں پیغام رسانی ملائکہ کا صرف ایک منصب بتایا گیا ہے۔ ان کے باقی فرائض ایسے ہیں جن کا تعلق قوت اور اقتدار سے ہے۔

لغات القرآن صفحہ 1282

اب اس سوال کا جواب تو جناب پرویزؒ ہی دے سکتے تھے یا ان کا کوئی مقلد دے سکتا ہے، کہ جب جناب پرویزؒ "ملک" بمعنی پیغام رساں کے قائل نہ تھے، تو پھر کس بناء پر اس مخصوص جگہ، اس معنی کو اختیار کیا؟؟

صرف اس لیے کہ اس طرح آپ کا خود ساختہ عقیدہ اور نظریہ ثابت ہو جائے۔

حقیقت تو صرف اتنی ہے کہ اس آیت مبارکہ کا تعلق، اس وقت سے ہے جب مریم صادقہؓ کو ان کی والدہ محترمہ، اپنی مانی گئی "نذر" کے مطابق "ہیکل" میں چھوڑ گئیں۔ جہاں اس وقت کے رواج کے مطابق قرعہ اندازی سے، مریم صادقہؓ کی کفالت کی ذمہ داری حضرت ذکریاؑ کے حصہ میں آئی۔ مریم صادقہؓ ایک چادر تان کر "ہیکل" کے مشرقی حصہ میں مکین ہو گئیں۔ جہاں اللہ کریم کے حکم سے فرشتوں کی آمد ہوئی۔ جنہوں نے مریم صادقہؓ کو ایک بیٹے کی خوشخبری سنائی۔

اس مقام پر یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کی ولادت، مریم صادقہؓ کی شادی کا نتیجہ ہے تو پھر اللہ کریم کو بار بار اس بات کی اطلاع مریم صادقہؓ کو پہنچانے کی علت و ضرورت ہی کیا ہے؟ کسی بھی انسان کی شادی کا فطری نتیجہ، بچے کی پیدائش ہی ہوتا ہے۔ اس میں کون سی انوکھی بات تھی، جسے بیان کرنے کے لئے اللہ رب العزت کو بار بار، اپنے ملائکہ، مریم صادقہؓ کی طرف بھیجنے پڑے۔

اب اگر یہ سچائی مان لی جائے، تو جناب پرویزؒ کا عقیدہ اور نظریہ تو بلکل باطل ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ قرآن کا نام لے کر، قرآن کی آیات کے سیدھے سادے معنی کو مفہوم کی آڑ میں کچھ سے کچھ بنا دیا گیا۔ ایک طرف جناب مریم صادقہؓ کو "ہیکل" سے نکال کر اپنے گھر بھیج دیا گیا۔ دوسری طرف " ملائکہ " کے وجود سے انکار کر دیا گیا۔ نہ رہے بانس، نہ بجے بانسری۔۔

لیکن وہ قرآن ہی کیا جو اس طرح کی تحریفات سے اپنا دامن پاک نہ کر سکے۔

جناب پرویزؒ نے جتنے افسانے بیان کیے۔ جو جو قصے گھڑے۔

کہیں داستان گو، کہیں نمائندے، کہیں پیغام رساں۔۔ ایک نام نہاد فرضی " یوسف نجار " کے بھیجے ہوئے۔۔ لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ [:]يَا مَرْيَمُ اقْنُتِي لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ [٣:٤٣]

اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور تمہیں آج سارے جہان کی عورتوں پر برگزیدہ کر دیا ہے، اے مریم! تم اپنے رب کی بڑی عاجزی سے بندگی بجالاتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کیا کرو، [طاہر القادری]

غور فرمائیں آیت بالا میں، یہ ملائکہ مریم صادقہؑ کو اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں۔ وہ تو مریم صادقہؑ کو بتا رہے ہیں کہ اللہ کریم نے آپ کو منتخب فرمالیا ہے، پاکیزگی عطا کی ہے، اور سارے جہانوں کی عورتوں پر برگزیدہ کر دیا ہے چنانچہ آپ کو چاہیے کہ آپ اپنے رب کی بندگی بجالائیں، اور رکوع و سجود کا اہتمام کریں اب کیا کیا جائے کس طرح فٹ کریں "یوسف نجار" کو اس آیت مبارکہ میں۔

دیکھتے ہیں جناب پرویزؒ اس مرحلہ پر کیا موقف اختیار کرتے ہیں۔

" یہاں کہا گیا ہے کہ ملائکہ نے حضرت مریم کو پیغام دیا۔ ملائکہ کے متعلق مطالب الفرقان جلد دوئم میں تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ وہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ملائکہ مومنین کے اندر نفسیاتی تغیر پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ مثلاً جنگ بدر کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ جب معرکہ شدت اختیار کر گیا تو خدا نے

ملائکہ سے کہا کہ مجاہدین کو تائید خداوندی کی بشارت دو(8:10) کہ اس سے ان کے دلوں کو اطمینان و سکون حاصل ہو جائے۔ اور ان کے پاؤں جم جائیں۔ انہیں استقامت حاصل ہو جائے۔ جو میدان جنگ میں کامیابی کی بنیادی شرط ہے۔ سورہ توبہ میں کہا گیا ہے کہ ملائکہ نظر نہیں آیا کرتے، سورہ حم سجدہ میں اس حقیقت کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ جہاں کہا ہے کہ اس طرح کا نزول ملائکہ خاص خاص شخصیتوں تک محدود نہیں۔ ایسا نزول عام مومنین پر بھی ہوتا ہے۔ فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ [:۰]نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ [٤١:٣١]

جو لوگ اس حقیقت کا اقرار کرتے ہیں، ہمارا نشوونما دینے والا اللہ ہے۔ اور پھر اپنے اس اقرار اور ایمان پر جم کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور دنیا کی کوئی قوت ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں پیدا کرتی۔ تو ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ خدا کی کائناتی قوتیں ان کا ساتھ دیتی ہیں۔ اور ان کے لیے باعث تقویت بنتی ہیں۔ اور اس طرح ان سے کہتی ہیں تم کسی قسم کا خوف نہ کرو، نہ ہی افسردہ خاطر ہو۔ تمہارے لیے اس جنتی معاشرہ کی خوشخبری ہے۔ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہیں، اور آخرت کی زندگی میں بھی تمہارے رفیق ہوں گے۔ اس لیے تمہیں یہ جنتی زندگی دنیا میں بھی نصیب ہو گی اور آخرت میں بھی۔ اس جنتی زندگی میں وہ سب کچھ ہو گا جسے تمہارا دل چاہے گا۔ وہ سب کچھ ملے گا جسے تم طلب کرو گے۔

اس انداز کا نزول ملائکہ حضرت مریم کی طرف بھی ہوا تھا۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 82

اس ہی ضمن میں آگے جا کر لکھتے ہیں۔۔

ملائکہ کی طرف سے اس قسم کی بشارتیں کس طرح ملتی ہیں ہم اسے نہیں جان سکتے۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 82

اس ہی ضمن میں ایک اور جگہ لکھا۔۔

حضرت مریم کے پاس بھی "ملائکہ "ہی حضرت عیسیٰ ؑ کی بشارت لے کر آئے تھے۔

ابلیس و آدم صفحہ 157

غور فرمایا آپ نے۔ کس طرح موم کی ناک بنا دیا گیا ہے آیات خداوندی کو۔ جہاں دل چاہا، ملائکہ کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ مان لیا۔ جہاں دل چاہا "یوسف نجار "کا نمائندہ بنا دیا۔ جہاں دل چاہا، کہہ دیا کہ مریم صادقہ ؒ کو حضرت عیسیٰ ؑ کی بشارت دینے والے، انسان تھے۔

کہیں کہہ دیا کہ "حضرت مریم کے پاس بھی "ملائکہ "ہی حضرت عیسیٰ ؑ کی بشارت لے کر آئے تھے۔

قرآن نہ ہوا، بازیچہ اطفال ہوا۔ قصہ مریم صادقہ ؒ میں جناب پرویز ؒ، کے بنیادی موقف دو ہیں۔

ایک یہ کہ اس وقت "ہیکل" کے حالات انسانیت سوز تھے۔ مریم صادقہؓ نے ایسے ماحول میں اپنی عصمت کی حفاظت کی۔ پھر "ہیکل" کے انسانیت سوز قوانین سے بغاوت کی۔

دوسرا یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش، عام انسانی بچوں کی طرح ہوئی۔ مریم صادقہؓ نے "یوسف نجار" سے شادی کرلی تھی۔ اس کے نتیجہ میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی۔ جن ملائکہ کا ذکر اس قصہ میں بیان ہوا ہے وہ عام انسان تھے جو "یوسف نجار" کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔

اپنے اس موقف کو درست ثابت کرنے کے لیے کس طرح، بار بار، داو پیچ کھیلے جارہے ہیں۔ ایک آیت میں "ملائکہ" کو اللہ کے فرستادے تسلیم کررہے ہیں۔۔۔۔۔۔ اس ہی سے متصل دوسری آیت میں ان ہی "ملائکہ" کو انسان ثابت کیا جارہاہے۔ ایک طرف کہا جارہاہے "ملائکہ کی طرف سے اس قسم کی بشارتیں کس طرح ملتی ہیں ہم اسے نہیں جان سکتے" لیکن دوسری طرف کہا جارہاہے کہ جو "ملائکہ "مریم صادقہؓ کی طرف بیٹے کی بشارت لے کر آئے تھے، وہ انسان تھے۔ یوسف نجار کے بھیجے ہوئے پیغام رساں تھے۔

کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی

جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بولہبی

اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اللہ کریم، مزید فرماتے ہیں۔۔

قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا [:]قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا [١٩:١٩]

مریم یکایک بول اٹھی کہ "اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں" "اُس نے کہا" میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں" [ابو الا علی مودودی]

اس بات پر اپنا نقطہ نظر پہلے ہی پیش کر چکا ہوں، اگر مریم صادقہ ؓ کے پاس آنے والا "یوسف نجار" تھا، اور اس کی شادی کی بات چیت حضرت ذکریاؑ کے توسط سے چل رہی تھی۔ تو مریم صادقہ کا یہ جملہ "اگر تو کوئی خدا ترس آدمی ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں" اس ساری صورتحال سے میل نہیں کھاتا۔ جب پہلے کچھ نمائندے مل چکے ہوں، بات چیت ہو چکی ہو، تو کس طرح ممکن ہے کہ وہ شخص خود ملنے آئے تو مریم صادقہ ؓ اتنی پریشان ہو جائیں، کہ اللہ کی پناہ مانگنے لگیں۔

دوسری بات، بقول جناب پرویزؒ، یہ واقعہ مریم صادقہ ؓ کے اپنے گھر کا واقعہ ہے۔ اس وقت کا واقعہ ہے جب مریم صادقہ ؓ ہیکل چھوڑ کر اپنے گاؤں ناصرہ چلی گئیں تھیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ آپ کے گھر کوئی ایسا انسان آپ کی اجازت کے بغیر داخل ہو جائے، جسے سامنے پا کر آپ اپنے رب کی پناہ مانگنے لگیں؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان آپ کے گھر شادی کا پیام لے کر آ رہا ہو، اور آپ کو اس کی خبر تک نہ ہو؟

کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی مرد، آپ کے گھر، بغیر آپ کی اجازت کے براہ راست آپ کی پندرہ بیس سالہ

جوان کنواری بیٹی کے پاس چلا جائے، جس سے خوفزدہ ہو کر، آپ کی بیٹی کو اپنے رب کی پناہ کی دعا کرنی پڑے؟

اس طرح کا جملہ شدید اضطراب اور خوف کا مظہر ہے۔ جو ایک پاکباز لڑکی کسی غیر مرد کو اپنے پاس غیر متوقع طور پر پاکر ظاہر کرتی ہے۔ یہ ہی بات اپنے آپ میں دلیل ہے کہ آنے والا، کوئی انسان نہ تھا، بلکہ ایک فرشتہ تھا۔ جو مریم صادقہؑ کے علاوہ کسی دوسرے کو نظر نہیں آ رہا تھا۔

مریم صادقہؑ کے اس اضطراب کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے، آنے والے نے اپنا تعارف کروایا کہ پریشان نہ ہوں، میں اللہ کریم کی طرف سے بھیجا گیا ہوں، تاکہ میں آپ کو ایک پاکیزہ بیٹا "عطا" کروں

اس آیت مبارکہ میں دو الفاظ وضاحت طلب ہیں۔

1۔۔ آنے والے نے کہا کہ میں تیرے رب کی طرف سے بھیجا گیا "رسول" ہوں۔

2۔۔ آنے کا مقصد یہ بتایا کہ میں آپ کو بیٹا "عطا" کروں۔ اس کے لیے لفظ "هَبَ" استعمال ہوا ہے۔

آیئے پہلے دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے "رسول" کا لفظ کس طرح استعمال کیا ہے۔

عربی زبان میں "رسول" کے معنی "پیغام رساں کے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے واضح الفاظ میں انسان اور ملائکہ کو "رسول" کہا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اللَّهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَمِنَ النَّاسِ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ [٢٢:٧٥]

حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے فرامین کی ترسیل کے لیے) ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی وہ سمیع اور بصیر ہے [ابو الاعلی مودودی]

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا ۚ قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ [١٠:٢١]

لوگوں کا حال یہ ہے کہ مصیبت کے بعد جب ہم ان کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو فوراً ہی وہ ہماری نشانیوں کے معاملہ میں چال بازیاں شروع کر دیتے ہیں ان سے کہو "اللہ اپنی چال میں تم سے زیادہ تیز ہے، اس کے فرشتے تمہاری سب مکّاریوں کو قلم بند کر رہے ہیں" [ابو الاعلی مودودی]

أَمْ يَحْسَبُونَ أَنَّا لَا نَسْمَعُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُم ۚ بَلَىٰ وَرُسُلُنَا لَدَيْهِمْ يَكْتُبُونَ [٤٣:٨٠]

کیا اِنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم اِن کی راز کی باتیں اور اِن کی سرگوشیاں سنتے نہیں ہیں؟ ہم سب کچھ سن رہے ہیں اور ہمارے فرشتے اِن کے پاس ہی لکھ رہے ہیں [ابو الاعلی مودودی]

آیات بالا اس امر پر قول فیصل ہیں کہ اللہ کریم نے اپنے ملائکہ کو "رسول" بھی کہا ہے۔ مریم صادقہؑ کے واقعہ میں اور قرآن کریم میں دیگر مقامات پر، واضح طور پر "ملائکہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے، چنانچہ آیت مبارکہ (19:19) میں کسی طور پر بھی اس لفظ "رسول" کے معنی انسان نہیں ہو سکتے۔

اب دیکھتے ہیں آیت مبارکہ کے دوسرے لفظ "اھَبَ" کے کیا معنی ہوتے ہیں۔

اس کا مادہ "وھب" ہے۔اس کے معنی عطا کرنے کے ہوتے ہیں۔دینے کے ہوتے ہیں۔ایسا عطیہ جو نہ کسی چیز کے عوض دیا گیا ہو،نہ ہی اس میں دینے والے کی اپنی غرض وابستہ ہو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَفَرَرْتُ مِنكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ [٢٦:٢١]

پھر میں نے تم لوگوں کے خوف سے گریز اختیار کیا تو میرے رب نے مجھے نبوت عطا فرمائی اور مجھے اپنے نمائندوں میں سے قرار دے دیا[سید ذیشان حیدر جوادی]

آیت بالا اس لفظ "اھب" کے معنی کو نکھار دیتی ہے۔

اس کے معنی ایسی عطا کے ہیں، جیسے ایک نبی کو نبوت عطا کی جاتی ہے۔جس طرح نبوت کے ملنے میں نبی کا اپنا کوئی کمال یا کسب و ہنر نہیں ہوتا۔ بلکل اس ہی طرح اس مقام پر اللہ کریم نے اپنے فرشتے کے ذریعے مریم صادقہؑ کو حضرت عیسیٰؑ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔جس طرح ہم نہیں جانتے کہ کسی نبی کو نبوت کس طرح ملی ،یا وحی کیسے نازل ہوتی تھی۔اس ہی طرح ہم اللہ کریم کے اس عمل کو بھی سمجھنے سے قاصر ہیں جو اس نے مریم صادقہؑ کے واقعہ میں اختیار کیا۔اس ہی نسبت سے اللہ کریم ایک صفت "الوھاب" بھی ہے۔

اب اس آیت مبارکہ پر دوبارہ غور فرمائیں۔

قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا [١٩:١٩]

اُس نے کہا" میں تو تیرے رب کا فرستادہ ہوں اور اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ تجھے ایک پاکیزہ لڑکا دوں"

[ابوالاعلی مودودی]

جناب پرویزؒ نے اس آیت مبارکہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے۔

اس نے کہا گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میں تیرے نشو و نما دینے والے کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں۔ اور وہ پیغام یہ ہے کہ وہ تجھے نہایت عمدہ نشو و نما یافتہ بچہ عطا کرے گا۔

مفہوم القرآن از جناب پرویزؒ

مندرجہ بالا مفہوم میں دو الفاظ پر غور فرمائیں۔ ایک "ربک" کا مفہوم "نشو و نما دینے والا" اور " لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا "کا مفہوم "وہ تجھے نہایت عمدہ نشو و نما یافتہ بچہ عطا کرے گا"

اس لفظ "ربک" کو بیان کرتے ہوئے جناب پرویزؒ نے لکھا۔

"اس نوجوان نے کہا، گھبرانے کی کوئی بات نہیں میں تیرے رب کی طرف سے ایک پیغام لے کر آیا ہوں

" یہاں لفظ "رب" سے مراد اللہ تعالیٰ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اگر اس کے لغوی معنوں میں "پرورش کرنے والا" (مربی) لیا جائے، تو اس سے مراد حضرت ذکریاؑ ہوں گے۔

میں سمجھتا ہوں کہ یہ مفہوم زیادہ قرین قیاس ہے۔ اور وہ پیغام یہ ہے کہ وہ (خدا) تجھے ایک عمدہ نشو و نما پانے والا بچہ عطا کرنا چاہتا ہے"

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 106

اللہ اکبر۔ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں۔ رب سے مراد حضرت ذکریاؑ، اور ان کا پیغام "وہ تجھے ایک عمدہ نشو ونما پانے والا بچہ عطا کرنا چاہتا ہے"۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ بخدا میں اس مقام پر کسی تبصرہ سے معذور ہوں۔ میں نے اپنے دل پر پتھر رکھ کر یہ جملے لکھے ہیں۔ اللہ کریم مجھے معاف فرمائے۔

مریم صادقہؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم مزید ارشاد ہوا۔

قَالَتۡ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَٰمٞ وَلَمۡ يَمۡسَسۡنِي بَشَرٞ وَلَمۡ أَكُ بَغِيّٗا [١٩:٢٠]

مریم نے کہا "میرے ہاں کیسے لڑکا ہو گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے اور میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں" "[ابو الاعلی مودودی]

اپنی کتاب "مہجور خدا" میں خاکسار نے اس موضوع پر بڑی صراحت کے ساتھ بحث کی ہے کہ کس طرح ہر دور کا انسان اپنے دور کے علمی انکشافات اور مشاہدات کو حرف آخر سمجھ لیتا ہے۔ اللہ کا قانون سمجھ لیتا ہے۔ اسے غیر متبدل سمجھ لیتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔

اللہ کریم نے کائنات کو تخلیق کیا، اس کے ایک ایک ذرے کی ابتداء سے انتہا تک کے تمام مراحل کے " اندازے اور پیمانے "مقرر کیے۔ کائنات کی ہر شئے رب کریم کے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق اپنی منزل مقصود کی جانب رواں داوں ہے۔

صدیوں پہلے کے انسانوں کے بہت سارے مشاہدات ایسے ہیں، جن کے معنی و مفہوم آج کے دور کے علمی انکشافات اور مشاہدات نے بدل کر رکھ دیئے ہیں۔ ممکن ہے کہ آج کے دور کے ہمارے مشاہدات اور علمی انکشافات کے معنی و مفہوم آنے والے ہزاروں سال میں کوئی اور شکل اختیار کر لیں۔

چنانچہ کسی دور کے علمی انکشافات اور انسانی مشاہدات کسی صورت بھی حرف آخر نہیں ہو سکتے۔ نہ ہی انہیں غیر متبدل قرار دیا جا سکتا ہے۔

آیت مبارکہ بالا بھی اس ہی طرح کے ایک واقعہ کو بیان کرتی ہے۔ جب ملائکہ نے مریم صادقہؑ کو ایک بیٹے کی بشارت دی تو مریم صادقہؑ کی زبان سے بے ساختہ ایک ہی جملہ نکلا کہ میرے یہاں بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے، جب کہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں ہے اور نہ ہی میں بدکار ہوں۔

مریم صادقہؑ کا دور آج سے دو ہزار سال پرانا ہے۔

اُس دور کے علمی انکشافات اور اُس وقت کے انسانوں کا ناقابل تردید مشاہدہ یہ تھا کہ جب تک عورت کسی مرد سے جسمانی تعلقات استوار نہ کر لے، حمل نہیں ٹھہر سکتا۔ اپنے اس مشاہدہ کی بنیاد پر ہی مریم صادقہؑ نے ملائکہ کی بشارت پر حیرت کا اظہار کیا کیونکہ اس وقت تک نہ تو ان کی شادی ہوئی تھی اور نہ ہی معاذاللہ ان کے کردار میں کوئی جھول تھا۔

اس مقام پر یہ بات بھی غور طلب ہے کہ بقول جناب پرویزؒ، جب ایک فرضی کردار "یوسف نجار" کے نمائندے پہلے ہی مریم صادقہؑ سے مل چکے تھے۔ شادی کا پیغام پہنچا چکے تھے، تو پھر مریم صادقہؑ کا یہ کہنا

کہ مجھے بچہ کس طرح ہو سکتا ہے جب کہ مجھے کسی مرد نے چھوا تک نہیں ہے۔ عقل و شعور کے پیمانے پر درست ثابت نہیں ہوتا۔ شادی کا پیغام تو خود اس بات کی ضمانت تھا کہ بچہ کی پیدائش، شادی سے مشروط ہے۔ لیکن جس طرح مریم صادقہؓ نے اس امر پر اپنے تحفظات کا اظہار کیا، وہ اس بات کا اظہار ہے کہ بچے کی پیدائش کی بات سے پہلے شادی کا کوئی ذکر ہوا ہی نہیں تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مریم صادقہؓ کا مشاہدہ، قانون خداوندی ہے؟؟

اگر یہ قانون خداوندی ہوتا تو پھر کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا تھا کہ مرد اور عورت کے جسمانی اختلاط کے بغیر بچہ پیدا ہو جائے۔ لیکن حقیقت کیا ہے۔ آیئے اس مضمون کی ابتداء میں پیش کردہ ایک اقتباس کو دوبارہ سامنے لاتے ہیں۔

میں نے عرض کی تھی۔

" آج اگر کوئی عورت، بغیر کسی مرد سے جسمانی ملاپ کے، ماں بننا چاہے، تو اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ وہ عورت خود، بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت کی مالک ہو آج دنیا میں ایسے "اسپرم بینک" اور "اووا بینک" قائم ہو چکے ہیں، جہاں لوگ رضاکارانہ طور پر، اپنے اسپرم اور انڈہ، (Donate) "عطیہ" کرتے ہیں۔

اب کوئی بھی عورت اس بینک سے "IVF" کے ذریعے، ایک "بارآور انڈا" اپنے رحم میں رکھوا کر، ماں بن سکتی ہے۔

" IUI "کے ذریعے، کسی مرد کا "اسپرم" اپنے "انڈے" سے "بارآور" کرواسکتی ہے۔ اب اس بات کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ "انڈا" کس کا تھا، "اسپرم" کس کا تھا۔ اور بچہ کیسے ہوا۔

یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان ایسا کوئی کام کرلے جو قانون خداوندی سے بالا ہو۔

خدا اگر کسی شیئے کے لئے کوئی قانون مقرر کرے، تو یہ کبھی بھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ انسان اس کے مخالف کوئی عمل کر کے اس کے قانون کو ہی بدل دے۔ خداوند کریم کے مقرر کردہ قوانین ناقابل تنسیخ و تبدل ہوتے ہیں۔

چنانچہ آیت بالا، مریم صادقہؑ کے اپنے دور کے مشاہدے کو بیان کر رہی ہے۔ یہ کوئی خدائی قانون نہیں تھا آج کے دور کے علمی انکشافات اور مشاہدات نے مریم صادقہؑ کے دور کے مشاہدے کو مسترد کر دیا ہے۔

آیت بالا میں ایک لفظ "بَغِيًّا" خصوصی توجہ کا متقاضی ہے۔ اس لفظ کے حوالے سے بھی جناب پرویزؒ نے متضاد موقف اختیار کیے، اور اس سے اپنی مرضی و منشاء کا مفہوم پیدا کرنے کی کوشش کی۔

عربی زبان میں اس لفظ کا مادہ "ب غ ی" ہے۔ اس کے معنی حدود فراموشی ہوتے ہیں۔

"البغی"۔ درمیانہ روی کی حد سے بڑھ جانے کی خواہش (خواہ حد سے تجاوز کر سکے یا نہ کر سکے)۔ بہت زیادہ بارش کو بھی کہتے ہیں جو حد سے بڑھ جائے۔

بعت المراۃ بغاء۔ عورت اپنی حدود عفت سے بڑھ گئی۔ اور زنا کی مرتکب ہو گئی۔

"بغی" اور "بغو" زناکار عورت کو کہتے ہیں۔

لغات القرآن از جناب پرویزؒ۔ صفحہ 336

چونکہ "زنا" بھی حدود فراموشی کا نام ہے۔ اس لیے اس کے معنی "بدکاری" کے ہیں۔

اس کے معنی "بغاوت" ہرگز نہیں ہوتے۔

قرآن کریم میں یہ لفظ دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ حدود فراموشی اور بدکاری۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوا عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَمَن يُكْرِههُّنَّ فَإِنَّ اللَّهَ مِن بَعْدِ إِكْرَاهِهِنَّ غَفُورٌ رَّحِيمٌ [٢٤:٣٣]

اور چاہیے کہ پاک دامن رہیں وہ جو نکاح کی توفیق نہیں رکھتے یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کر دے اور تمہارے غلاموں میں سے جو لوگ مال دے کر آزادی کی تحریر چاہیں تو انہیں لکھ دو بشرطیکہ ان میں بہتری کے آثار پاؤ اور انہیں اللہ کے مال میں سے دو جو اس نے تمہیں دیا ہے اور تمہاری لونڈیاں جو پاک دامن رہنا چاہتی ہیں انہیں

دنیا کی زندگی کے فائدہ کی غرض سے زنا پر مجبور نہ کرو اور جو انہیں مجبور کرے گا تو اللہ ان کے مجبور ہونے کے بعد بخشنے والا مہربان ہے [احمد علی]

آیت بالا میں اس لفظ "بغیاء" کے معنی واضح ہیں۔

اب چونکہ واقعہ مریم صادقہؓ میں اس لفظ کے معنی "بدکار" کیا جائے تو جناب پرویزؒ، کا سارا فلسفہ ہی دم توڑ دیتا ہے۔ چنانچہ لازم تھا کہ وہ اس لفظ کے معنی و مفہوم کو بھی تبدیل کریں۔

چنانچہ بڑی خوبصورتی سے اس لفظ کے معنی "بدکاری" سے تبدیل کر کے "بغاوت" کر دیا۔

ملاحظہ فرمائیں۔ جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

"سورہ نور میں "البغاء" کا لفظ زناکاری کے لئے آیا ہے۔ لیکن سورہ مریم میں "بغیاء" کا لفظ "حدود شکن" کے لیے آیا ہے۔ خاص طور پر زناکاری کے لئے نہیں۔ یعنی حضرت مریم نے کہا، کہ میں ہیکل میں راہبہ کی زندگی بسر کر رہی ہوں اور راہبہ کے لیے قانون شریعت یہ ہے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں میں نے اس قانون کو نہیں توڑا۔

لغات القرآن صفحہ 336

غور فرمایا آپ نے۔

قدم قدم پر کس طرح تضادات سے بھرپور خود ساختہ کہانیوں سے بات کو کیا سے کیا بنایا جا رہا ہے۔ اس مقام پر جہاں ملائکہ مریم صادقہؓ کو ایک بیٹے کی بشارت دیتے ہیں، اور جواب میں مریم صادقہؓ اپنے بدکار نہ ہونے کا بیان کرتی ہیں، اور جناب پرویزؒ اسے "ہیکل" کا واقعہ بیان کر رہے ہیں وہ کہہ رہے ہیں "یعنی حضرت مریم نے کہا، کہ میں ہیکل میں راہبہ کی زندگی بسر کر رہی ہوں اور راہبہ کے لیے قانون شریعت یہ ہے کہ وہ تجرد کی زندگی بسر کریں میں نے اس قانون کو نہیں توڑا"

"راہبہ کی زندگی بسر کر رہی ہوں" کے الفاظ اس واقعہ کو "ہیکل" کا واقعہ قرار دے رہے ہیں۔

لیکن جناب پرویزؒ اس آیت مبارکہ سے پہلے کی آیت مبارکہ میں مریم صادقہ کو "ناصرہ" اپنے گھر بھیج چکے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا

اے رسول اب تو اس کتاب قرآن میں، لوگوں سے مریم کا قصہ بیان کر۔ اور سلسلہ کلام کا آغاز اس وقت سے کر جب وہ خانقاہیت کی زندگی چھوڑ کر اپنے گاؤں ناصرہ میں چلی گئی جو وہاں سے مشرق کی سمت واقع ہے۔

اس سے پہلے ملائکہ کے ضمن میں سارا زور ہی اس بات پر ہے کہ مریم صادقہؓ حضرت ذکریاؑ کے کہنے پر ہیکل چھوڑ کر، اپنے گاؤں "ناصرہ" چلی گئیں۔ پھر حضرت ذکریاؑ نے یوسف نجار کو مریم صادقہؓ سے شادی پر آمادہ کیا، اور پھر پہلے یوسف نجار کے پیغام رساں اور بعد میں خود یوسف نجار مریم صادقہؓ کے پاس گئے اور انہیں بیٹے کی خوشخبری دی۔

جیسا کہ میں بار بار عرض کرتا چلا آرہا ہوں، جب کسی عقیدہ یا نظریہ کی بنیاد ہی باطل ہو، اسے ثابت کرنے کی کوشش میں اس طرح کے تضادات لازم ہیں۔

اور جب ایک اور عقیدہ بھی ہو کہ قرآن کریم ایک مبہم کتاب ہے، بے ربط کتاب ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ (Gaps) چھوڑ رکھے ہیں۔ جسے انسان کو اپنی فہم سے (FIL) کرنا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے۔ پرویزؒ فرماتے ہیں۔

"جیسا کہ ہم نے پہلے بتایا ہے کہ قرآن کریم کسی واقعہ کی تمام کڑیاں بالترتیب خود ہی بیان نہیں کرتا، ان کے درمیان (Gaps) چھوڑ دیتا ہے۔ کہ ہم اپنی فہم و بصیرت سے انہیں پُر کرلیں۔

اسے (Fill in the Blanks) کا طریقہ کہتے ہیں۔ جو ادبی نقطہ نگاہ سے بڑا لطیف انداز ہوتا ہے۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 106

غور فرمایا۔ خدا نے کس طرح جناب پرویزؒ کو یہ اختیار عطا فرمادیا کہ جہاں مناسب سمجھو، قرآن کریم میں اپنی مرضی سے اپنے حسب منشاء (Fill in the Blanks) کرلیا کرو۔

اور جناب پرویزؒ نے ایسا کیا بھی۔

جہاں مناسب سمجھا، جناب مریم کو ہیکل سے نکال کر اپنے گھر بھیج دیا۔ جہاں مناسب سمجھا پھر سے ہیکل لے آئے۔ جہاں مناسب سمجھا، "بغیاء" کو بغاوت ثابت کر دیا۔ اور جہاں مناسب سمجھا، اسے ہی بدکاری ڈیکلیئر کر دیا۔

لغات القرآن میں کہتے ہیں کہ آیت مبارکہ (19:20) میں "بغیاء" کے معنی "حدود شکن" ہیں۔

لیکن اس جگہ کہہ رہے ہیں کہ نہیں اس کے معنی "بدکاری" کے ہوتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

" بہر حال، حضرت مریم کو (حضرت ذکریاؑ کی وساطت سے موصول ہونے والی) اس بشارت پر تعجب ہوا۔ جو ان حالات میں بلکل فطری تھا۔ اس مقام پر تو انہوں نے " وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ " کہا ہے۔ سورہ مریم میں ہے "وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا"۔ یہاں "مس بشر "بغیاء" کے مقابلے میں آیا ہے۔ بغیاء سے مراد ناجائز اختلاط ہے۔ اس تشریح کی رو سے آیت کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی حضرت مریم نے کہا کہ میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جب کہ صورت یہ ہے کہ میرا نکاح بھی نہیں ہوا، اور میں معاذاللہ حرام کاری کی مرتکب بھی نہیں ہوئی"

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 98

خداوندہ یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں

کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

جب انسان کے دل میں، انسان کے ذہن میں کوئی خود ساختہ عقیدہ و نظریہ موجود ہو تو اسے ثابت کرنے کے لئے اس طرح کے ریت کے گھروندے تو بنانے ہی پڑتے ہیں جو تیز ہوا کہ ایک جھونکے سے بکھر جائیں ورنہ حقیقت کو سمجھنا تو کچھ اتنا مشکل نہ تھا۔

آیت بالا پر دوبارہ غور فرمائیں۔

قَالَتْ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا [۱۹:۲۰]

آیت بالا میں مریم صادقہؒ دو باتیں کہہ رہی ہیں۔ ایک یہ کہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا۔ دوسرا یہ کہ میں " بغیا" نہیں ہوں۔ اب اگر "بغیا" کے معنی "بغاوت" لئے جائیں، تو اس آیت مبارکہ کا ترجمہ تو یہ ہی ہوتا ہے کہ "مریم نے کہا، مجھے بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے حالانکہ مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا، اور میں نے کوئی بغاوت بھی نہیں کی۔ اب اگر اس معنی کو اختیار کیا جائے تو پھر تو جناب پرویزؒ کا تراشا ہوا افسانہ دھڑام سے زمین بوس ہو جاتا ہے۔

کیونکہ ان کا تو بنیادی نکتہ ہی یہ ہے کہ جناب مریم نے ہیکل کے قوانین سے بغاوت کی تھی۔

اور ہم سابقہ صفحات میں واضح دلائل سے یہ ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت ذکریاؑ کی موجودگی میں، ہیکل کے حوالے سے محرف بائیبل کا بیان شدہ سارا افسانہ، جھوٹ کا پلندہ ہے۔ افتراء ہے۔

اس مقام پر مناسب سمجھتا ہوں کہ ایک ایسی آیت مبارکہ پیش کروں، جسے جناب پرویزؒ، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدائش کے عقیدہ کے رد میں پیش کرتے ہیں۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ [٦:١٠١]

وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے [ابوالاعلی مودودی]

جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

" ان لوگوں کی جہالت دیکھیے کہ ان کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا کی اولاد بھی ہے۔ جب ان سے کہا جائے کہ اس کے یہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ تو جواب میں یہ کہتے ہیں کہ خدا قادر مطلق ہے وہ جو جی میں آئے کر سکتا ہے۔ وہ کسی قاعدے اور قانون کا پابند نہیں ہے۔ کہا ان کا یہ کہنا ٹھیک ہے کہ وہ قادر مطلق ہے۔ وہ جس طرح جی چاہے کر سکتا ہے۔ اس کی یہ ہی قدرت مطلقہ ہے۔ جس کی رو سے وہ اس کائنات کو عدم سے وجود میں لایا ہے۔" بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ "۔ لیکن وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ اس کے عالم امر سے متعلق ہے۔ عالم خلق میں ہر بات اس کے مقرر کردہ قانون کے مطابق ہوتی ہے۔ تولید (اولاد پیدا ہونے) کے متعلق اس کا قانون یہ ہے کہ یہ مرد اور عورت کے جنسی اختلاط کا نتیجہ ہوتی ہے۔" إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ "(49:13) یہ ہے قانون خداوندی جس میں کبھی تبدیلی نہیں

ہوتی۔ لہٰذا بیٹا ہونے کے لئے خاوند اور بیوی دونوں کا ہونا لازمی ہے " أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ"

(6:101) اور جب خدا کی بیوی نہیں تو اس کے یہاں اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب خدا کے قانون کے مطابق:۔

1۔ اولاد کے لیے مرد اور عورت، خاوند اور بیوی دونوں کا وجود لازمی ہے۔

2۔ خدا کی بیوی نہیں اس لیے اس کے یہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔

3۔ اس ہی قانون کی رو سے کسی عورت کے یہاں مرد کے اختلاط کے بغیر اولاد پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اولاد کے لیے مرد اور عورت دونوں کا وجود اور اختلاط لازمی ہے۔ جب خدا کے یہاں بیوی کے بغیر بیٹا پیدا نہیں ہو سکتا تو حضرت مریم کے یہاں خاوند کے بغیر بیٹا کیسے ہو سکتا ہے۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 93

جناب پرویزؒ اپنے اس دور میں یہ ہی بات کر سکتے تھے۔ یہ بلکل وہ ہی مقام ہے، جب تخلیق کائنات کے حوالے سے جناب پرویزؒ نے ایک جگہ لکھا۔

" امام راغب نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہا ہے کہ اشیاء کے متعلق " تقدیر الٰہی " (پیمانوں) کی دو شکلیں ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی شئے کو کامل طور پر یکبارگی بنا دے، اور اس میں کوئی کمی بیشی واقع نہ ہو۔

تاوقتیکہ خدا اسے فنا کرنا یا بدلنا نہ چاہے (جیسے سمٰوات)۔ اور دوسری یہ کہ کسی شئے میں کچھ بننے کی صلاحیتیں رکھ دی جائیں اور وہ رفتہ رفتہ اپنی انتہائی شکل تک پہنچ جاتی ہے۔ اور اس کے سوا کچھ اور نہیں بن سکتی، جیسے بیج میں درخت بننے کی صلاحیت۔ یہ ہی اس کی "تقدیر" ہے۔

امام راغب نے جو پہلی بات کہی ہے (کہ بعض چیزوں کو جو کچھ بننا تھا، وہ بن چکی ہیں) سو وہ جس زمانے میں گزرے ہیں، اس میں یہ ہی کچھ کہہ سکتے تھے۔ ہمارے زمانے میں انکشافات جدیدہ کا رخ اس طرف ہے کہ جن چیزوں کے متعلق ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان میں کوئی تغیرات نہیں ہوتے، ان میں بھی تغیرات ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ تغیرات بڑے غیر محسوس اور غیر مرئی طریقہ سے واقع ہوتے ہیں۔ بہر حال اس بات سے قطع نظر "تقدیر" کے معنی ہیں کسی شئے کو ترقی دیتے ہوئے اس "قدر" (Pattern)، کے مطابق بنا دینا جو اس کے لیے متعین ہے۔ یعنی اس کی ممکنات (Potentialities)، کا مشہود (Actualize) ہو جانا، اور اس طرح اس کا اپنے آخری نقطہ تک پہنچ جانا۔۔

لغات القرآن، صفحہ نمبر 1335، 1334۔۔ از جناب پرویز علیہ رحمہ

جناب پرویزؒ کا یہ خیال کہ بچہ کی پیدائش کے لیے مرد اور عورت کا اختلاط لازم ہے، آج قصہ پارینہ بن چکا ہے۔ کتاب کے ابتدائی حصہ میں آج کے میڈیکل انکشافات "IUI" اور "IVF" کے حوالے سے تفصیلی بات کی گئی ہے۔ میڈیکل کے اس نئے انکشاف کے بعد، اب کوئی بھی عورت، کسی مرد کے ساتھ جسمانی تعلقات استوار کئے بغیر، بچہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔

خداوند کریم کے مقرر کردہ ایک "اندازے اور پیمانے" کو قانون خداوندی سمجھنے کی غلطی جناب پرویزؒ سے سرزد ہوئی۔ امام راغبؒ کے خیال کو اپنے دور کے علمی انکشافات اور مشاہدات کی بناء پر رد کرنے والے جناب پرویزؒ نے اپنے دور کے علمی انکشافات اور مشاہدات کو بھی، امام راغبؒ کی طرح، حتمی تصور کر لیا۔ قانون خداوندی مان لیا۔ اور وہ ہی سہو کیا، جو امام راغبؒ نے کیا تھا۔

دور حاضر کی میڈیکل سائنس نے اس تصور کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے کہ عورت کے یہاں بچہ ہونے کے لیے، مرد سے جسمانی اختلاط لازمی ہے۔

البتہ یہ بات حتمی ہے کہ عورت کے بغیر، نہ تو خدا کے یہاں بچہ ہو سکتا ہے، اور نہ انسان کے یہاں۔

کیونکہ اللہ کریم نے انسانی بچے کی نشو و نما کے لئے، رحم مادر کو لازم قرار دیا ہے۔ اس کے حکم سے انسانی بچے کی ابتدائی نشو و نما رحم مادر میں ہوتی ہے۔

اس لیے ایسا کبھی بھی نہیں ہو گا کہ فارم کی مرغیوں کی طرح، انسان کے بچے بھی، فارم ہاوس میں پیدا ہونے لگیں۔

دور نزول قرآن میں اور اس سے پہلے عیسائیوں کے دیگر عقائد میں سر فہرست عقیدہ، حضرت عیسیٰ علیہ سلام کا اللہ کا بیٹا ہونا، اور مریم صادقہؒ کا اللہ کی بیوی کا عقیدہ تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ سلام کے ابن اللہ ہونے کے عقیدہ کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ ۚ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ ۖ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ ۚ انتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ إِنَّمَا اللَّهُ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ سُبْحَانَهُ أَن يَكُونَ لَهُ وَلَدٌ ۘ لَّهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا [٤:١٧١]

اے اہل کتاب اپنے دین (کی بات) میں حد سے نہ بڑھو اور خدا کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ مسیح (یعنی) مریم کے بیٹے عیسیٰ (نہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ) خدا کے رسول اور کا کلمہٗ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا اور اس کی طرف سے ایک روح تھے تو خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور (یہ) نہ کہو (کہ خدا) تین (ہیں۔ اس اعتقاد سے) باز آؤ کہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ خدا ہی معبود واحد ہے اور اس سے پاک ہے کہ اس کے اولاد ہو۔ جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے۔ اور خدا ہی کارساز کافی ہے [فتح محمد جالندہری]

مزید ارشاد فرمایا۔

مَا كَانَ لِلَّهِ أَن يَتَّخِذَ مِن وَلَدٍ ۖ سُبْحَانَهُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ [١٩:٣٥]

خدا کو سزاوار نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے۔ وہ پاک ہے جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے [فتح محمد جالندہری]

جناب مریم صادقہؑ کو خدا کی "بیوی" ماننے کے باطل عقیدے کی رد میں اللہ کریم نے واضح طور پر بیان فرما دیا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا [:]يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ ۖ وَلَن نُّشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا [:]وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا [:]وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا [:]وَأَنَّا ظَنَنَّا أَن لَّن تَقُولَ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا [۷۲:۵]

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ میرے پاس وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (اس کتاب کو) سنا تو کہنے لگے کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا، جو بھلائی کا رستہ بتاتا ہے سو ہم اس پر ایمان لے آئے۔ اور ہم اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے، اور یہ کہ ہمارے پروردگار کی عظمت (شان) بہت بڑی ہے اور وہ نہ بیوی رکھتا ہے نہ اولاد، اور یہ کہ ہم میں سے بعض بے وقوف خدا کے بارے میں جھوٹ افتراء کرتا ہے، اور ہمارا (یہ) خیال تھا کہ انسان اور جن خدا کی نسبت جھوٹ نہیں بولتے [فتح محمد جالندہری]

آیت بالا میں ان دونوں عقائد کی تردید فرمائی گئی ہے۔ بڑی صراحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا کہ بیٹا یا بیوی ہونے کا تصور اللہ کریم کے شایان شان ہی نہیں، کیونکہ وہ اللہ تو "بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ" ہے۔

وہ اس عمل کا سزاوار ہی نہیں ہو سکتا۔

اس ہی بات کو اللہ کریم نے اس آیت مبارکہ میں دوبارہ دوہرایا ہے۔

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ [٦:١٠١]

وہ تو آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ کوئی اس کی شریک زندگی ہی نہیں ہے اس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے [ابوالاعلی مودودی]

آیت بالا میں دو الفاظ کے غیر مناسب ترجمہ نے بات کا درست مفہوم ہی بدل دیا۔ آیت بالا کا یہ ٹکڑا " أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ "اس کا ترجمہ عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ "اس کے ہاں بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں" نہ جانے عربی زبان کے کون سے قاعدے اور ضابطہ کے مطابق ہے؟ اس ٹکڑے میں نہ ہی کسی لفظ کا ترجمہ "ہو سکتا ہے "موجود ہے اور نہ ہی کوئی ایسا لفظ موجود ہے جس کے معنی "بیوی" کے ہوں۔

آیت بالا میں ایک لفظ ہے " يَكُونُ "ہے۔ اس کا مادہ "ک ون "ہے۔ اس کے معنی "سزاوار ہونا" "شایان شان ہونا" ہے۔

آیت مبارکہ کا دوسرا لفظ "صاحبہ "ہے۔ جس کے معنی عموماً بیوی کے کئے جاتے ہیں۔

اس لفظ کا مادہ "ص ح ب "ہے۔ اس کے معنی کسی شئے کا دوسرے کے ساتھ لگ جانا ہے۔ ساتھ ساتھ رہنا ہے۔ لمبے عرصہ کا ساتھ۔ اس ہی جہت سے بیوی کو بھی " صاحبہ "کہتے تھے کیونکہ وہ طویل عرصہ کا ہم سفر ہوتی ہے۔ لیکن اس کا حقیقی معنی، لمبے عرصہ کی رفاقت والا ساتھی ہے۔ قریب رہنے والا، ساتھ رہنے والا اپنے جیسا۔۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا۔ [٩:٤٠]

تم نے اگر نبیؐ کی مدد نہ کی تو کچھ پروا نہیں، اللہ اُس کی مدد اس وقت کر چکا ہے جب کافروں نے اسے نکال دیا تھا، جب وہ صرف دو میں کا دوسرا تھا، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنی ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ "غم نہ کر، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔[ابوالاعلی مودودی]

آیت بالا میں اس لفظ "صاحبہ" کا درست مفہوم سامنے آجاتا ہے۔

آیت مبارکہ (6:101) میں، اللہ کریم نے اس لفظ کو مونث کے صیغہ میں استعمال کیا ہے۔

چنانچہ اس آیت مبارکہ کا درست مفہوم یہ ہو گا۔

"اللہ اس ساری کائنات کا موجد ہے، اس کے شایان شان ہی نہیں، وہ اس شئے کا سزاوار ہی نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی بیٹا ہو، یا اس کی کوئی مونث ساتھی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہر شئے کا خالق ہے، اس کا علم کائنات کی ہر شئے پر محیط ہے"

اب غور فرمائیں، ایک سیدھی سادی آیت کو کس طرح اپنی مرضی و منشاء کا مفہوم دے کر، اس سے یہ عقیدہ وضع کرنا کہ بغیر بیوی کے خدا کے یہاں بھی بچہ نہیں ہو سکتا۔ تو مریم صادقہؑ کے ہاں، بغیر شوہر کے

بچہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کتنا غیر ذمہ دارانہ اور غیر سنجیدہ عمل ہے۔ یہ لفظ "ہو سکتا" ساری آیت کے معنی و مفہوم کو ہی بدل دیتا ہے۔

اب اس آیت مبارکہ پر غور فرمائیں۔ عقل عام سے سوچیں۔ اگر اس آیت مبارکہ وہ ہی ترجمہ درست مان لیا جائے، جو جناب پرویزؒ نے پیش کیا ہے، تو اس سے کیا ثابت ہوتا ہے۔

1۔ یہ کہ اللہ کی صنف "مردانہ" ہے۔

2۔ اللہ بھی اس سلسلہ تولید کا محتاج ہے۔

جہاں تک اللہ کریم کے محتاج ہونے کا سوال ہے، میں نے اپنی کتاب "مہجور خدا" میں تفصیل کے ساتھ اس موضوع پر بات کی ہے۔ جہاں میں نے نص قرآنی سے ثابت کیا ہے کہ وہ رب کائنات، اپنی حیثیت میں اکمل مقام کا مالک ہے۔ بااختیار ہے۔ العزیز ہے۔ طاقت، قوت، غلبہ، اختیار، قدرت، اپنی انتہائی شکل میں اس رب کریم کی ذات اقدس میں جمع ہیں۔ وہ خدا مجبور محض نہیں ہے۔

دوسرا نقطہ بھی قابل غور ہے۔ کیا خدا کی کوئی جنس ہے؟ کیا خدا کسی طرح کا مادی جسم رکھتا ہے۔ اس سوال پر میں اپنی کتاب "مہجور خدا" میں اس طرح بیان کیا ہے۔ میں نے لکھا۔

" انسانی فہم صدیوں سے اس سوال کا جواب پانے میں ناکام ہے کہ وہ بلند و بالا ہستی، جسے کوئی خدا کے نام سے جانتا ہے، کوئی گاڈ کہہ کر پکارتا ہے، کوئی بھگوان کہتا ہے، اور کوئی اللہ کے نام سے یاد کرتا ہے۔۔۔

وہ کون ہے؟ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ اسے کس نے بنایا؟؟

اس کی کنہ وماہیت کیا ہے؟ اس کی شکل وصورت کیسی ہے؟ اس کی جنس کیا ہے؟

یہ سچائی، زمان ومکاں کے دائرے میں قید اس انسان کے حیطہ ادراک سے ماوراء ہے کہ کوئی ایسی ہستی بھی ہے جو ہمیشہ سے موجود ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

سچ تو یہ ہے کہ ایک محدود ذہن، کسی لا محدود کا تصور کر ہی نہیں سکتا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اس رب کائنات نے، اپنے بندوں سے صرف ایمان کا مطالبہ کیا ہے، ادراک کا نہیں، اس نے اپنی ذات کے حوالے سے چند اشارات پر ہی اکتفا کیا۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔

اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ مَثَلُ نُورِهِ كَمِشْكَاةٍ فِيهَا مِصْبَاحٌ ۖ الْمِصْبَاحُ فِي زُجَاجَةٍ ۖ الزُّجَاجَةُ كَأَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُوقَدُ مِن شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ زَيْتُونَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَلَا غَرْبِيَّةٍ يَكَادُ زَيْتُهَا يُضِيءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۚ نُّورٌ عَلَىٰ نُورٍ ۗ يَهْدِي اللَّهُ لِنُورِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ [٢٤:٣٥]

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے (کائنات میں) اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق میں چراغ رکھا ہوا ہو، چراغ ایک فانوس میں ہو، فانوس کا حال یہ ہو کہ جیسے موتی کی طرح چمکتا ہوا تارا، اور وہ چراغ زیتون کے ایک ایسے مبارک درخت کے تیل سے روشن کیا جاتا ہو جو شرقی ہو نہ غربی، جس کا تیل آپ ہی آپ بھڑکا پڑتا ہو چاہے آگ

اس کو نہ لگے، (اِس طرح) روشنی پر روشنی (بڑھنے کے تمام اسباب جمع ہو گئے ہوں) اللہ اپنے نور کی طرف جس کی چاہتا ہے رہنمائی فرماتا ہے، وہ لوگوں کو مثالوں سے بات سمجھاتا ہے، وہ ہر چیز سے خوب واقف ہے [ابوالاعلی مودودی]

اس کی ذات نہ انسانی عقل و فکر میں سما سکتی ہے، اور نہ ہی اسے کسی مثال سے سمجھایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا۔۔

فَاطِرُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَمِنَ الْأَنْعَامِ أَزْوَاجًا ۖ يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ ۚ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ ۖ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ [٤٢:١١]

آسمانوں اور زمین کا بنانے والا، جس نے تمہاری اپنی جنس سے تمہارے لیے جوڑے پیدا کیے، اور اسی طرح جانوروں میں بھی (اُنہی کے ہم جنس) جوڑے بنائے، اور اِس طریقہ سے وہ تمہاری نسلیں پھیلاتا ہے کائنات کی کوئی چیز اس کے مشابہ نہیں، وہ سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہے [ابوالاعلی مودودی]

نہ صرف یہ کہ وہ کسی مثال سے سمجھایا نہیں جا سکتا، بلکہ کوئی آنکھ اسے دیکھ بھی نہیں سکتی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔۔

لَّا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ ۖ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ [٦:١٠٣]

نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے، وہ نہایت باریک بیں اور باخبر ہے [ابوالاعلی مودودی]

اور پھر اس کی ذات کو، اس کی ہستی کو ایسے حسین پیرائے میں بیان فرمادیا کہ جسے پڑھ کر روح وجد میں آ جاتی ہے۔ فرمایا۔۔

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ [:]اللَّهُ الصَّمَدُ [:]لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ [:]وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ [١١٢:٤]

(اے نبیِ مکرّم!) آپ فرمادیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے، اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے، [طاہر القادری]

مہجور خدا، صفحہ 4-1

اب اس صورتحال میں یہ سوال لازماً سامنے آتا ہے کہ پھر خدا نے اپنے مونث ساتھی کا ذکر کیوں کیا؟؟

کیا خدا مرد ہے؟؟

حقیقت کیا ہے۔ غور فرمائیں

ولادت عیسیٰ علیہ سلام میں، جس شئے پر سوالیہ نشان ہے وہ انکے والد کا وجود ہے۔ ماں موجود ہے، باپ نہیں ہے۔ چنانچہ تنازعہ باپ کا ہے۔ ایسی صورت میں اگر خدا یہ کہتا ہے کہ میرا کوئی مذکر ساتھی نہیں ہے، تو یہ اس صورتحال کے تقاضے سے باہر ہوتا۔ کیونکہ اس مخصوص صورتحال میں، مونث موجود ہے۔ مذکر موجود نہیں ہے۔ ماں موجود ہے۔ بیٹا موجود ہے۔ لیکن بیوی کا شوہر نہیں ہے۔ بیٹے کا باپ نہیں ہے۔ اس ہی بنیاد پر یہ عقیدہ پروان چڑھا، کہ مریم صادقہ ؓ ، اللہ کی بیوی، اور حضرت عیسیٰؑ علیہ سلام، اللہ کے

بیٹے ہیں۔

اللہ کریم نے آیت مبارکہ (6:101) میں، اس بات کی تردید فرمائی ہے۔نہ کہ کوئی قانون بیان کیا ہے۔ چنانچہ اس آیت مبارکہ کو بطور ایک قانون کے پیش کرنا، کہ دیکھیں جناب بغیر بیوی کے اللہ کے ہاں بھی بچہ نہیں ہو سکتا، تو مریم صادقہؑ کے ہاں بغیر شوہر کے بچہ کس طرح ہو سکتا ہے، ایک طفلانہ سوچ ہے قرآن کریم کے اسلوب بیان سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔خود ساختہ اور من مانا مفہوم ہے۔ نظریہ ہے۔ عقیدہ ہے۔

ابن مریم

قرآن کریم کا بغور مطالعہ فرمائیں۔اس پر تفکر و تدبر فرمائیں۔

آپ دیکھیں گے کہ پورے قرآن میں حضرت عیسیٰؑ ہی واحد نبی ہیں جنہیں اللہ کریم بار بار ان کی ماں کی نسبت سے بیان فرما رہے ہیں قرآن کریم میں یہ الفاظ "ابن مریم" تقریباً 23 بار استعمال ہوا ہے۔

سوائے حضرت عیسیٰ علیہ سلام کے کسی بھی نبی کو اللہ کریم نے اس طرح متعارف نہیں کروایا۔

جیسا کہ یہ بات پہلے ہی ثابت کی جا چکی ہے کہ دور نزول قرآن میں بھی، اور اس سے پہلے بھی یہ عقیدہ موجود تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ سلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن کریم میں "ابن مریم" کے الفاظ کی تکرار، اس عقیدہ کو سند فراہم کرتی ہے یا اسے رد کرتی ہے؟؟

" ابن مریم" کے الفاظ کا بتکرار استعمال، خود اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ سلام کی ولادت، پیدائش انسانی کے عام طریقہ کار سے مختلف ہے۔ اگر یہ حقیقت کے خلاف بات ہوتی، تو لازمی تھا کہ وہ رب کریم، 23 بار تکرار کے ساتھ "ابن مریم" کہنے کے بجائے، ایک بار "ابن فلاں مرد" کے الفاظ استعمال کر کے، اس عقیدہ کو باطل قرار دے دیتے۔

اس ضمن میں جناب پرویزؒ کا استدلال، حیرت انگیز طور پر، طفلانہ ہے۔ اتنے بڑے مفکر سے اس طرح کی غیر سنجیدہ توضیحات میرے لیے بہر حال انتہائی مایوسی کی بات ہے۔

جناب پرویزؒ اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

" حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش کے قائل اپنے عقیدہ کی تائید میں ایک دلیل یہ بھی لایا کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے ابن مریم کہہ کر پکارا ہے۔ ان کے باپ کی طرف ان کی نسبت نہیں کی۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا۔ یہ دلیل جس قدر کمزور ہے، اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ سامی اقوام کے یہاں یہ رواج تھا کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہو ان کی اولاد کی نسبت اس کی طرف کیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے والد کا نام کہیں نہیں آیا۔ جہاں ضرورت پیش آئی "ام موسیٰ" کہا گیا۔ حتیٰکہ حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ھارونؑ، حضرت موسیٰ کو

"ابن ام "میری ماں کے بیٹے کہہ کر پکارتے تھے۔ تو کیا اس سے بھی یہ سمجھا جائے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔ تاریخ میں دیکھیۓ، سادات کی جو پہلی سلطنت قائم ہوئی تھی اسے بنی فاطمہ کی سلطنت کہا جاتا ہے۔ حضرت علی کی جو اولاد حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطن سے پیدا ہوئی وہ بنی فاطمہ کہلاتی ہے۔ ان کی جو اولاد دوسری بیویوں کے بطن سے پیدا ہوئی انہیں علوی کہا جاتا ہے "

مطالب الفرقان جلد چہارم، صفحہ 96

حیرت ہوتی ہے، انسان اپنے عقائد کو مستند کرنے کے لیے کس کس طرح کے استدلال پیش کرتا ہے کس طرح کی اسناد لانے کی کوشش کرتا ہے اور اس عمل میں کس طرح تضاد بیانی کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ عمل اس وقت بہت زیادہ تکلیف اور اذیت کا باعث ہوتا ہے جب اس کا ارتکاب کوئی ایسی ہستی کرے، جس کا اپنا ایک مقام ہو۔ جس سے امت کی ایک بڑی تعداد کی جذباتی وابستگی ہو۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ سلام کو "ابن مریم "کا خطاب یا لقب انکی قوم نے نہیں دیا اور نہ ہی ان کی قوم میں ایسا کوئی رواج تھا۔ بلکہ قرآن تو واضح الفاظ میں، حضرت عیسیٰؑ کے حمل ٹھہرنے سے پہلے ہی انہیں یہ خطاب عطا فرمارہا ہے۔ غور فرمائیں۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ [٣:٤٥]

اور جب فرشتوں نے کہا، "اے مریمؑ! اللہ تجھے اپنے ایک فرمان کی خوش خبری دیتا ہے اُس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہو گا، دنیا اور آخرت میں معزز ہو گا، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا [ابو الاعلی مودودی]

غور فرمائیں۔

ابھی حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش تو کیا، ان کا حمل نہیں ٹھہرا، اللہ نے انہیں "عیسیٰ ابن مریم" کے نام سے متعارف کروایا۔ اس مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ سلام کی قوم کا تو ذکر ہی نہیں ہے۔

اگر بالفرض اس قوم میں ایسا کوئی رواج موجود تھا تو بھی۔۔۔

کیا معاذ اللہ، وہ رب کریم انسانوں کے اختیار کردہ رواجوں کی پیروی کرتا ہے؟؟

ایک مخصوص عقیدے کے موجودگی میں، ایسا عمل تو اس عقیدہ کو سند بخشتا ہے۔ اگر حضرت عیسیٰؑ کی قوم میں ایسا کوئی رواج تھا تب بھی، اللہ کے لیے اس قوم کے رواج کی پیروی کرنے کے مقابلے میں درست صورتحال کو سامنے لانا زیادہ ضروری تھا۔

اب اس سوال پر غور فرمائیں۔

قرآن کریم میں بیان کردہ انبیاء علیہ سلام کی اکثیریت کا تعلق، سامی قوم سے ہی تھا۔ یہ سارے انبیاء علیہ سلام، ذریت ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ، خود سامی قوم کے فرد تھے۔

اس حوالے سے جناب پرویزؒ رقم طراز ہیں۔

"یہ ذات گرامی قدر، پیکر خُلد و صداقت، حضرت ابراہیمؑ کی ہے۔ جنہیں مشیت ایزدی نے اس منصب جلیلہ کے لئے منتخب کیا، کہ سامی اقوام میں نبوت و رسالت کی نعمت عظمیٰ آپ کی ذریت سے باہر نہ گئی، اس شجر مقدس کی ایک شاخ طوبیٰ حضرت عیسیٰ علیہ سلام تک منتج رہی۔

جوئے نور صفحہ 96 از جناب پرویزؒ

اب اگر بقول پرویزؒ کے ایسا ہی تھا کہ "سامی اقوام کے یہاں یہ رواج تھا کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہو ان کی اولاد کی نسبت اس کی طرف کیا کرتے تھے" تو کیا وجہ ہے کہ کسی اور نبی کو اس کے ماں یا باپ کی نسبت سے نہیں پکارا گیا؟؟

کیا ان سارے انبیاءؑ میں سے کسی اور نبی کا ماں یا باپ مشہور ہی نہ تھا؟؟

قرآن کریم میں کئی انبیاء علیہ سلام کا تعارف ضمناً ان کے والد کے ساتھ ہوا ہے۔

مثلاً، قران کہتا ہے کہ حضرت اسحٰقؑ، حضرت اسمٰعیلؑ، حضرت ابراہیم کی اولاد تھے۔

اب کیا حضرت ابراہیمؑ، مریم صادقہؒ کی نسبت کم مشہور ہستی تھے؟؟

کیا ایک نبی اور ایک عام انسان میں کوئی فرق نہیں ہوتا؟؟

اب اگر اس قوم میں کسی نبی کو اس کے نبی باپ کی نسبت سے تو نہیں پکارا گیا، حالانکہ وہ بھی سامی قوم سے تعلق رکھتے تھے، تو اس قوم کا یہ قانون صرف حضرت عیسیٰؑ پر ہی کیوں خصوصی طور پر لاگو کر دیا گیا؟؟

مریم صادقہؓ کے واقعہ سے چند آیات قبل ہی حضرت ذکریاؑ، اور انکے بیٹے حضرت یحییٰ علیہ سلام کا ذکر ہے۔ خود جناب پرویزؒ نے حضرت یحییٰ علیہ سلام کی پیدائش، حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے نزدیک نزدیک ہی بیان کی ہے۔ جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

" قرآن مجید میں حضرت ذکریاؑ کی داستان حیات اس نقطہ کے گرد گردش کرتی ہے کہ وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے، لیکن ان کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰؑ جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ حضرت ذکریاؑ کے دل میں اولاد کی خواہش تو تقاضائے بشریت کے تحت غالباً اکثر رہتی ہو گی۔ لیکن اس نے جن حالات میں ایسی شدت اختیار کی کہ وہ دعا بن کر ان کے لبوں تک آگئی، قرآن کریم نے اسے بڑے بڑے حسین و بلیغ نفسیاتی انداز سے بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے حضرت مریم کو ان کی ماں نے بچپن ہی میں ہیکل کی نذر کر دیا تھا اور وہاں اسے حضرت ذکریاؑ کی کفالت میں دے دیا گیا تھا۔ وہ بچی ان کے لیے بمنزلہ بیٹی کے تھی اس لیے وہ ان سے بزرگانہ پیار اور پدرانہ محبت کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ ایک دن اس طرح کی باتیں کرتے کرتے ان کے دل میں اولاد کی آرزو نے جوش مارا"

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 66

اقتباس بالا سے یہ بات پایہ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ حضرت یحییٰ ؑ کی پیدائش، حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش سے زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس سال پہلے کی ہے۔ اب اس سوال کا جواب دینے کے لیے جناب پرویزؒ تو اس دنیا میں موجود نہیں ہیں، البتہ ان کا کوئی چاہنے والا دینا چاہے تو دے دے کہ۔۔۔

آخر کیوں، ایک ہی دور میں پیدا ہونے والے دو بچے، دونوں ہی نبی۔ ایک ہی علاقے کے رہنے والے، ایک ہی قوم کے افراد۔ لیکن ایک کے معاملے میں، اس قوم کے رواج پر ایسا عمل کہ اس سے اتنی بڑی کنفیوژن پیدا ہو رہی ہو تو کوئی بات نہیں۔ رواج کا اتباع لازمی ہے۔

بچے کو اسکی ماں کے نام سے پکارنا لازمی ہے۔

لیکن اس ہی لمحہ، دوسرے بچے کے لیے اس رواج کی کوئی قید نہیں؟؟

جو قانون جناب پرویزؒ نے سامی قوم کے حوالے سے بیان کیا ہے، تو اس کے مطابق، اگر ایک طرف مریم صادقہؒ کے مشہور ہونے کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ سلام کو "ابن مریم" کہہ کر بلایا جا رہا ہے۔ تو کیوں اس ہی وقت حضرت یحییٰ علیہ سلام کو "ابن ذکریاؑ" کہہ کر نہیں پکارا گیا؟

کیوں؟؟؟؟؟؟

سارے قران کریم میں حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت داودؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ذکریاؑ، حضرت یحییٰ علیہ سلام، کسی کو بھی نہ تو ان کی ماں کی نسبت سے پکارا جا رہا

ہے اور نہ ہی ان کے باپ کی نسبت سے۔ حالانکہ یہ سب آپس میں باپ بیٹے ہیں۔

یہ بات اپنے آپ میں خود ایک ثبوت ہے کہ سامی اقوام میں اس طرح کے رواج یا قانون کا فسانہ بھی من گھڑت ہے۔ اپنے عقیدہ کو سند فراہم کرنے کے لیے ایک افتراء ہے۔

جہاں تک جناب پرویزؒ کا یہ استدلال کہ دنیا میں ایسا ہوتا ہے کہ افراد یا قبائل کسی مرد یا عورت کی نسبت سے متعارف کروائے جاتے ہیں، بلکل درست ہے۔ اس میں کوئی شک والی بات نہیں ہے۔ انسان بے شمار کام کرتا ہے درست بھی اور غلط بھی۔ بے شمار ایسے رواجوں میں قید ہو کر رہ جاتا ہے جو خدا کا منشاء ہی نہیں ہوتے۔

حضرت عیسیٰؑ کے ضمن میں، انسانی طرز عمل کی تو بات ہی نہیں ہے۔

یہ تو خدا کا عمل ہے۔

ایک بچہ جو ابھی اپنی ماں کے رحم میں پہنچا ہی نہیں، اسے "ابن مریم" کا خطاب دے دیا۔ یہ کسی قوم یا فرد کا عمل تو نہیں ہے۔ یہ تو اللہ کریم کا عمل ہے۔

کیا ہم اللہ کے عمل کو، انسانوں کی سطح پر پرکھنے کی جرات بھی کر سکتے ہیں؟

قرآن کریم میں " عیسیٰ ابن مریم " کے الفاظ اس سچائی کا اعلان ہے کہ اللہ کریم کی حکمت بالغہ اور قدرت غالبہ کے تحت، اس کے مقرر کردہ کسی نہ کسی " اندازے اور پیمانے " کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ سلام

کی پیدائش، مرد و زن کے جسمانی اختلاط کے عام طریقہ کار سے ہٹ کر ہوئی۔

صدیوں پہلے یہ عمل، ایک معجزہ تھا، آج کے انسان نے "IUI" اور "IVF" کے ذریعے اسے مشہود کر دیا ہے۔ ایک اٹل حقیقت کا روپ دے دیا ہے۔ آج کا انسان ایک " کیتھیٹر " کے ذریعے، بغیر کسی مرد کے اختلاط کے عورت کو حاملہ کرنے پر قادر ہو چکا ہے۔

تو وہ رب کریم جو ساری کائنات کا خالق ہے، مطلق اقتدار کا مالک ہے، یہ ہی عمل وہ اپنی قدرت سے کیوں نہیں کر سکتا؟؟

جہاں تک "ام موسیٰؑ" کی بات ہے۔ سچ پوچھیں، تو مجھے اس حوالے پر ہنسی آگئی۔

ایک کام حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے سر انجام دیا۔ اللہ کریم اس واقعہ کو بیان فرما رہے ہیں۔

اب یا تو اللہ کریم حضرت موسیٰؑ کی والدہ محترمہ کا نام لکھتے، یا "ام موسیٰ" لکھتے۔ اب یہ تو ممکن ہی نہ تھا کہ جو کام حضرت موسیٰؑ کی والدہ نے کیا، اس کو انؑ کے والد کے نام سے بیان کر دیا جاتا۔

دوسری بات۔ دنیا میں ایسا ہوتا ہے۔ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ۔۔۔۔۔

ایک کم معروف انسان کی نسبت زیادہ معروف و معتبر انسان کی طرف بیان کرنے سے، اس کم معروف انسان کی توقیر میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسے پہچاننے میں مدد ملتی ہے۔ ایک کلرک اگر یہ کہے کہ میں وزیر اعظم کا بھائی ہوں، تو یہ بات اس کلرک کے لئے باعث فخر ہوتی ہے۔ اس کا بہترین تعارف ہوتی ہے

لیکن کسی وزیر اعظم کے لیے یہ تعارف منفعت کا باعث نہیں ہو سکتا، کہ وہ فلاں کلرک کا بھائی ہے۔ ایک عام عورت، خواہ وہ کسی نبی کی والدہ ہی کیوں نہ ہوں، ان کو اس نبی کے نام سے متعارف کروانا، عقل کی بات ہے۔ اس عورت کے لئے وجہ افتخار ہے۔۔۔ لیکن ایک نبی کو، اپنی ماں (جو اس کی امتی بھی کہلائے گی) کی نسبت سے متعارف کروانا، یہ بات خلاف عقل ہے۔

جہاں تک حضرت ہارونؑ کا اپنے بھائی حضرت موسیٰؑ کو "ابن ام" کہہ کر پکارتے تھے، تو یہ کون سے عجیب بات ہے۔ یہ تو سچائی ہے۔ کیا میرا بھائی، میری ماں کا بیٹا نہیں ہے؟؟

دوسری بات میں نے اوپر عرض کی ہے کہ بات انسانی رویوں کی نہیں ہو رہی۔ انسان کے بیان اور اسلوب بیان کی نہیں ہو رہی۔ انسان بعض اوقات ایسے الفاظ اور القاب بھی استعمال کر لیتا ہے جو خدا کو پسند نہیں ہوتے۔ انبیاء بھی بہر حال انسان ہی تھے۔ اب ظاہر ہے کہ حضرت ہارونؑ، حضرت موسیٰؑ کو، اللہ کی وحی پر عمل کرتے ہوئے تو "ابن ام" نہیں کہتے تھے نہ۔ ایک انسان کے ناطے اپنے جذبات کو بیان کرتے تھے۔

مسئلہ تو اللہ کریم کے عمل کا ہے۔ اللہ کریم کے عمل کو انسانی عمل کے پیمانوں پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ اللہ کریم کا قرآن کریم میں بتکرار "ابن مریم" کا بیان، عام انسانی بیان کی سطح پر نہیں لایا جا سکتا۔

عزیر

اس مقام پر لازم ہے کہ اس ہی طرح کے ایک اور عقیدہ کو سامنے لاوں، جس میں ابن اللہ کا تصور پیش کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں یہودیوں کے اس عقیدہ کا ذکر بھی آیا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ۖ ذَٰلِكَ قَوْلُهُم بِأَفْوَاهِهِمْ ۖ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبْلُ ۚ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ ۚ أَنَّىٰ يُؤْفَكُونَ [۹:۳۰]

یہودی کہتے ہیں کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور عیسائی کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کا بیٹا ہے یہ بے حقیقت باتیں ہیں جو وہ اپنی زبانوں سے نکالتے ہیں اُن لوگوں کی دیکھا دیکھی جو ان سے پہلے کفر میں مبتلا ہوئے تھے خدا کی مار اِن پر، یہ کہاں سے دھوکہ کھا رہے ہیں[ابوالاعلی مودودی]

آیت بالا کے ضمن میں کچھ احباب کا یہ خیال ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ کے عقیدہ کی وجہ، ان کے بن باپ کی پیدائش ہے، تو پھر "عزیر" کو بھی ابن اللہ کہا گیا ہے۔۔۔۔۔ تو کیا اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ "عزیر" بھی بن باپ کے پیدا ہو گئے ؟؟

سوال اپنی جگہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس سوال کو سمجھنے کے لئے جناب پرویزؒ کی ایک تحقیق پیش خدمت ہے۔ جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

" ہمارے زمانے میں جس انداز سے عہد قدیم کے تاریخی انکشافات ہو رہے ہیں، ان کے پیش نظر کون کہہ سکتا ہے کی کل کو کون سی حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آنے والی ہے ؟ اس حقیقت کے پیش نظر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ فرعون کی لاش کی طرح، مزید تحقیقات کے بعد یہودیوں کے اس عقیدے کی بھی نقاب کشائی ہو جائے۔

حال ہی میں بعض محققین کا خیال اس طرف گیا ہے کہ قرآن کریم نے جس عزیر کے متعلق کہا ہے، کہ

یہودی اسے ابن اللہ مانتے تھے۔ اس سے مراد عزیر نبی نہیں، بلکہ مصر کا عزیر دیوتا ہے۔ جس کی وہاں پرستش ہوتی تھی۔ اور ان ہی کی دیکھا دیکھی یہودیوں نے بھی اس کی پرستش شروع کر دی تھی۔

ھیروڈوٹس نے، آج سے قریب اڑھائی ہزار سال پہلے اس دیوتا کا نام (Osiris) عزیرس لکھا ہے۔ یونان میں اسماء کے بعد "س"، ہمیشہ زائد ہوتی ہے۔ اس صورت میں اس دیوتا کا اصل نام "عزیر" ہے۔ جو قرآنی عزیر سے بلکل مشابہ ہے۔ مصر کے آثار قدیمہ میں اس کا نام "ایزاری" ہے۔ اس کے نام پر جو سانڈ بیل پوجا جاتا تھا، اس کا نام "ایزارھاپی "یعنی عجل عزیر تھا، اس بچھڑے کو عزیر کی روح کا مظہر اور "فتاح" یعنی خالق خدا کا اوتار اور بیٹا (ابن اللہ) مانا جاتا تھا۔ مصر سے یہ اعتقادات نکل کر، شام اور فلسطین کے علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ اور یہ ہی وہ عجل (بچھڑا) تھا جس کی پرستش یہودیوں نے حضرت موسیٰ کی غیر حاضری میں شروع کر دی تھی۔ اس کا ذکر قران کریم میں موجود ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے یہود کو اس گوسالہ پرستی سے روکا لیکن آپؑ کے بعد اس کی پرستش دوبارہ شروع ہو گئی۔ چنانچہ یہودیوں کی سلطنت کی تقسیم کے بعد، شمالی سلطنت کے بادشاہ "یروبعام" اول سن 933 قبل مسیح نے، عجل پرستی کو شاہی مذہب قرار دے دیا اور سونے کے دو بچھڑے بنا کر ان کی پرستش عام کر دی۔ یہ ہی وہ عزیر دیوتا ہے جس کی طرف قران کریم نے اشارہ کیا ہے۔ موجودہ زمانے میں بائیبل کے عبرانی نسخوں کے تراجم کی جو تصحیح ہوئے ہے اس کے پیش نظر اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ بائیبل میں بھی بنی اسرائیل کی عزیر پرستی کا ذکر موجود تھا، لیکن غلطی سے لفظ "عزیر" کو "اسیر" سمجھ کر اس کا ترجمہ قیدی کر دیا گیا۔ اب "لیگارڈ" نے اپنے یونانی ترجمہ میں، اس کی تصحیح کی ہے۔

مصر کے آثار قدیمہ یہ بھی بتارہے ہیں کہ دنیا میں غالباً سب سے پہلے، عزیر ہی کو ابن اللہ مانا گیا۔ چنانچہ قریباً چار ہزار سال قبل مسیح عزیر کے متعلق یہ اعتقاد ملتا ہے کہ یہ دیوتا خداوند اعلیٰ "آمن رع" کی نسل سے اور خداوند ارض کا بیٹا تھا۔ مصر سے اب ایک صحیفہ بھی برآمد ہوا ہے جس میں عزیر کے حالات درج ہیں۔ ان تصریحات سے ذہن کا رخ اس ہی طرف جاتا ہے کہ۔۔۔۔ عزیر سے مراد مصر کا دیوتا ہے نہ کہ "عزار نبی"

لغات القرآن صفحہ 1161 از جناب پرویزؒ

عزیر کے حوالے سے میں جناب پرویزؒ کے اس موقف اور تحقیق سے متفق ہوں۔ خود میں نے بھی اس ضمن جتنی تحقیق کی ہے، اس کے نتیجہ میں، میں بھی اس ہی خیال کا حامی ہوں، جو جناب پرویزؒ نے بیان کیا۔ اقتباس بالا سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عزیر ایک دیوتا کا نام تھا جسے اس وقت کے یہودی پوجتے تھے۔ اس کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ یہ "ابن اللہ" ہے۔ اب ایک بے جان دیوتا کے حوالے سے یہ کہنا کہ اس کا کوئی باپ تھا، نہیں تھا، سوائے ایک لطیفہ کے اور کیا ہے؟

آیئے تفکر و تدبر کے اس سفر میں مزید آگے بڑھتے ہیں۔ مریم صادقہؒ کے اس استفسار پر، کہ میرے یہاں بیٹا کس طرح ہو سکتا ہے، جب کہ نہ تو میں نے شادی کی ہے، اور نہ ہی میں بدکردار ہوں۔

ملائکہ نے جواب دیا۔

قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۖ وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ أَمْرًا مَّقْضِيًّا [۱۹:۲۱]

(فرشتے نے) کہا کہ یونہی (ہو گا) تمہارے پروردگار نے فرمایا کہ یہ مجھے آسان ہے۔ اور (میں اسے اسی طریق پر پیدا کروں گا) تاکہ اس کو لوگوں کے لئے اپنی طرف سے نشانی اور (ذریعہٗ) رحمت اور (مہربانی) بناؤں اور یہ کام مقرر ہو چکا ہے [فتح محمد جالندہری]

اس ہی بات کو دوسری جگہ اس طرح بیان فرمایا۔

قَالَتۡ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمۡ يَمۡسَسۡنِي بَشَرٌۖ قَالَ كَذَٰلِكِ ٱللَّهُ يَخۡلُقُ مَا يَشَآءُۚ إِذَا قَضَىٰٓ أَمۡرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُۥ كُن فَيَكُونُ [٣:٤٧]

مریم نے کہا پروردگار میرے ہاں بچہ کیونکر ہو گا کہ کسی انسان نے مجھے ہاتھ تک تو لگایا نہیں فرمایا کہ خدا اسی طرح جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو ارشاد فرمادیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے [فتح محمد جالندہری]

مریم صادقہ رضی اللہ عنہا کے دور میں تو کیا، آج سے ایک صدی پہلے تک اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا کہ کوئی عورت، کسی مرد سے جسمانی تعلقات استوار کئے بغیر، بچے کی ماں بن سکتی ہے۔ چنانچہ مریم صادقہ رضی اللہ عنہا اور اس دور کے ہر انسان کے لیے یہ مشاہدہ، ایک قانون کی حیثیت ہی رکھتا تھا کہ کسی عورت کا حاملہ ہونا اس بات کا اٹل ثبوت ہے کہ اس نے کسی مرد سے ازدواجی تعلقات قائم کیے ہیں۔

اس ہی بات کے پیش نظر مریم صادقہ رضی اللہ عنہا نے ملائکہ کی اس بشارت پر حیرت کا اظہار کیا۔

کیونکہ نہ تو ان کی شادی ہوئی تھی اور نہ ہی وہ بدکردار تھیں۔ مریم صادقہ رضی اللہ عنہا کے اس استفسار پر، ملائکہ نے جواب دیا کہ ہاں یہ بات درست ہے کہ نہ تو تمہاری شادی ہوئی ہے، اور نہ ہی تم بدکردار ہو۔ لیکن اللہ

کریم کا یہ کہنا ہے کہ بلکل اس ہی حالت میں، وہ تمہیں ایک بیٹا عطا فرمائے گا۔ اس کے لیے یہ کام نہایت ہی آسان ہے وہ مالک ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کا محتاج ہے۔ وہ جیسا چاہتا ہے، کرتا ہے۔

وہ اپنی صفت "الحکیم" کے تحت، اپنی مرضی و منشاء کے مطابق، اپنی مخلوق میں اضافہ کرتا رہتا ہے۔ اس کے لیے اسے نہ تو کسی سے پوچھنا ہوتا ہے، نہ ہی اسے کسی کی مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جب وہ کسی شئے کا فیصلہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا، تو وہ شئے ہو جاتی ہے۔ اس ہی کے قبضہ قدرت میں کائنات کی ہر شئے ہے۔ اور انجام کار ہر شئے نے اس ہی کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔

آیت مبارکہ 19:21 کے یہ الفاظ "قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ" قابل غور ہیں۔ ایک مرد اور ایک عورت کے جسمانی تعلقات کے نتیجہ میں بچے کی پیدائش تو ایک معمول کا عمل ہے۔ اس دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے جو اس بات پر حیرت یا تحفظات کا اظہار کرے۔ ایک عام سا آدمی، عورت، بچہ سب اپنی آنکھوں سے روزانہ اس عمل کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اب جس عمل پر کسی انسان کو کوئی حیرت نہیں، کوئی کنفیوژن نہیں، اس کے لئے اللہ کریم یہ کہیں کہ "ایسے ہی ہو گا، تیرا رب یہ کہتا ہے کہ یہ میرے لئے آسان ہے" کیا عقل کی بات ہے ؟؟

اس بات کا اظہار کے فلاں شئے میرے لئے آسان ہے تب کہی جاتی ہے، جب کوئی شئے معمول سے ہٹ کر ہو۔ جس کے بارے میں لوگ شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں۔ لوگوں کو تحفظات ہوں کہ کیا واقعی ایسا بھی ہو سکتا ہے۔

ان آیات میں کوئی الجھاؤ نہیں۔ کوئی پیچ و خم نہیں۔ ہر بات آسان ترین الفاظ میں بیان ہو رہی ہے۔ لیکن اگر ان آیات مبارکہ کا یہ سادہ سا مفہوم تسلیم کر لیا جائے، تو اپنے ذہن میں موجود اس باطل عقیدہ کا کیا ہو گا، جس کے تحت اس خدائے عظیم و برتر کو، انسانی مشاہدات کا اسیر قرار دیا جاتا ہے۔ ایک خاموش تماشائی کا کردار سونپا جاتا ہے۔ مجبور و مہجور ثابت کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اتنی عام فہم آیات کو اس طرح الجھایا گیا۔ وہ وہ فلسفے بیان کیے گئے کہ الامان، الحفیظ۔

جناب پرویزؒ، ان آیات مبارکہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس پر مریم نے (ذکریا کی طرح 3:39) تعجب سے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

جب کہ میں ایک کنواری راہبہ ہوں۔ راہبہ کے یہاں اولاد کا کیا سوال؟ اس کے جواب میں اس سے وہ ہی کچھ کہا گیا جو ذکریاؑ سے کہا گیا تھا (3:39) کہ یہ خدا کے اس قانون مشیت کے مطابق ہو گا، جس کی رو سے عام تخلیق ہوتی ہے۔ خدا کے قانون مشیت کی رو سے تخلیق کے دو مراحل ہیں۔ ایک عالم امر جسے سمجھنے کی خاطر پلاننگ کا مرحلہ کہہ لیجئے، اور اس کے بعد دوسرا مرحلہ وہ جب وہ شئے محسوس شکل اختیار کرنے لگ جائے۔ اس پوری اسکیم کا آغاز ارادہ (مشیت) خداوندی کے ساتھ ہی ہو جاتا ہے۔

" أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ " یہ وہی الفاظ ہیں جو حضرت ذکریاؑ نے اس وقت کہے تھے جب انہیں بھی بیٹے کی پیدائش کی بشارت دی گئی تھی۔ (اس کی تفصیل آیت 3:39) کے تحت گزر چکی ہے) یعنی ان کے سامنے اپنی اور اپنی بیوی کے اس وقت کے حالات تھے، جن کی رو سے وہ سمجھتے تھے کہ ایسے میں ان کے یہاں

اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد جب وہ موانعات دور ہو گئے، جو اولاد کی پیدائش کی راہ میں حائل تھے تو خدا کے قانون طبعی کے مطابق، ان کے یہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔ ایسی ہی صورت حضرت مریم کو درپیش تھی، وہ راہبہ کی حیثیت سے تجرد کی زندگی بسر کر رہی تھیں، اور مذہبی پیشوائیت کی طرف سے شدید مخالفت کے پیش نظر ہیکل چھوڑنے کے بعد، انہیں ازدواجی زندگی کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیے ان حضرت مریم کے لیے بھی بیٹے کی پیدائش کی بشارت وجہ تعجب تھی۔

بہر حال، حضرت مریم کو (حضرت ذکریاؑ کی وساطت سے موصول ہونے والی) اس بشارت پر تعجب ہوا۔ جو ان حالات میں بلکل فطری تھا۔ اس مقام پر تو انہوں نے " وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ "کہا ہے۔ سورہ مریم میں ہے "وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا"۔ یہاں "مس بشر "بغیاء" کے مقابلے میں آیا ہے۔ بغیاء سے مراد ناجائز اختلاط ہے۔ اس تشریح کی رو سے آیت کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی حضرت مریم نے کہا کہ میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جب کہ صورت یہ ہے کہ میرا نکاح بھی نہیں ہوا، اور میں معاذاللہ حرام کاری کی مرتکب بھی نہیں ہوئی۔

اس کے جواب میں کہا گیا کہ "كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ" کہ یہ خدا کے اس قانون مشیت کی رو سے ہو گا، جس کے مطابق عام تخلیق ہوتی ہے۔ یہ نہیں کہ تمہارے لیے کوئی الگ طریق یا عمل اختیار کیا جائے گا، حضرت ذکریاؑ کے استعجاب کے جواب میں بھی ایسا ہی کہا گیا تھا۔ یعنی "كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ " (3:39)،اس" يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ "کے بعد کہا تھا کہ حضرت ذکریاؑ کے یہاں اولاد ہونے کے راستے میں

جو رکاوٹ تھی اسے دور کر دیا گیا۔ یعنی ان کی بیوی کا طبعی نقص (علاج معالجہ) سے دور ہو گیا۔ اور اس میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی۔ یہ ہے "یَفْعَلُ مَا یَشَاءُ" کی تفسیر۔ ایسا ہی حضرت مریم کے سلسلے میں ہوا۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 99

آیات بالا پر اپنا نقطہ نظر پیش کرنے سے پہلے مناسب خیال کرتا ہوں کہ اس لفظ "قانون مشیت" کے حوالے سے جناب پرویزؒ کا اپنا موقف ان ہی کی زبانی پیش کر دوں، کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

" مدعی بھاری ہے خود تجھ پہ گواہی تیری "

پرویز علیہ رحمہ لکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں قانون کا لفظ نہیں آیا، اس زمانے کے عربی لٹریچر میں بھی یہ لفظ ان معنی میں بہت کم نظر آتا ہے۔

کتاب التقدیر، باب دوئم۔۔ صفحہ نمبر 39۔ از جناب پرویزؒ

ایک ایسا لفظ جو پورے قرآن میں استعمال ہی نہیں ہوا۔ بلکہ اس زمانے کے عربی لٹریچر میں بھی یہ لفظ بہت کم نظر آتا ہے۔ اس لفظ کا اس طرح متواتر، بے دریغ استعمال کیا منشاء خداوندی کہلا سکتا ہے؟؟

میں نے اپنی کتاب "مجبور خدا" میں اس موضوع پر تفصیلاً بات کی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ کائنات میں

موجود ہر شئے اپنے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق، اپنی منزل کی طرف گامزن ہے۔ ہر دور کا انسان اپنے دور کے مشاہدات کو ہی قانون خداوندی سمجھ لیتا ہے۔ اسے غیر متبدل خیال کرتا ہے۔ جب کہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔

دوسری بات، جناب پرویزؒ نے اقتباس بالا میں فرمایا۔۔

ایسی ہی صورت حضرت مریم کو درپیش تھی، وہ راہبہ کی حیثیت سے تجرد کی زندگی بسر کر رہی تھیں، اور مذہبی پیشوائیت کی طرف سے شدید مخالفت کے پیش نظر ہیکل چھوڑنے کے بعد، انہیں ازدواجی زندگی کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیے ان حضرت مریم کے لیے بھی بیٹے کی پیدائش کی بشارت وجہ تعجب تھی۔

ذرا غور فرمائیں، ابھی چند آیات پیشتر جناب پرویزؒ نے، مریم صادقہؓ کی شادی کے حوالے سے باقائدہ ایک سماں باندھا ہوا تھا۔ وہ فرمار ہے تھے۔۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرت ذکریاؑ کی تعلیم کا نتیجہ تھا، جو خدا کے رسول تھے کہ حضرت مریم کے دل میں رسم خانقاہیت کے توڑنے کا انقلاب آفریں خیال پیدا ہوا، اور انہوں نے ہیکل چھوڑ آنے کا اقدام کیا اس پر وہاں کے معاشرے کے رد عمل کی بابت پہلے لکھا جا چکا ہے۔ ان حالات میں کسی شخص کا حضرت مریم کے ساتھ شادی کرنے کا مسئلہ بھی کچھ آسان نہ تھا۔ اسے بھی معاشرہ اور مذہبی پیشوائیت کے طعن و تشنیع کا ہدف بننا پڑتا۔ یوں نظر آتا ہے کہ یہ مشکل مرحلہ بھی حضرت ذکریاؑ کی کوششوں سے طے ہوا۔ انہوں نے یوسف نجار کو اس وادی پر خار میں قدم رکھنے پر آمادہ کیا۔ اور یہ سلسلہ جنباتی ان ہی کیطرف

سے ہوئی اور یہ پیغام رساں ان ہی کی طرف سے بھیجے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یہ پروگرام حضرت ذکریاؑ کو خدا کی طرف سے بذریعہ وحی ملا ہو گا۔ اور انہوں نے اس کے مطابق اقدامات کیے ہونگے۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 95

یعنی ایک طرف یہ موقف کہ حضرت ذکریاؑ نے "یوسف نجار" کو مریم صادقہؓ سے شادی پر آمادہ کر لیا تھا چند آیات قبل، مریم صادقہؓ پر آنے والے "ملائکہ" کو، جناب پرویزؒ "یوسف نجار" کے پیغام رساں قرار دے رہے تھے۔ شادی کے حوالے سے باقائدہ پیغام رسانی ہو چکی تھی۔

اور اب یہ بیان کہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

" ایسی ہی صورت حضرت مریم کو درپیش تھی، وہ راہبہ کی حیثیت سے تجرد کی زندگی بسر کر رہی تھیں، اور مذہبی پیشوائیت کی طرف سے شدید مخالفت کے پیش نظر ہیکل چھوڑنے کے بعد، انہیں ازدواجی زندگی کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔ اس لیے ان حضرت مریم کے لیے بھی بیٹے کی پیدائش کی بشارت وجہ تعجب تھی"

غور فرمایا۔ ریت کے گھروندے کس طرح، معمولی ہوا کے جھونکے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ انسان کے من مانے باطل عقائد اور نظریات کس طرح پانی کے بلبلوں کی طرح ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں۔ اور پھر کس طرح انہیں درست ثابت کرنے کے لئے، طرح طرح کے حیلے تراشنے پڑتے ہیں۔ پہلے کہا جائے کہ

" مریم کے ساتھ شادی کرنے کا مسئلہ بھی کچھ آسان نہ تھا۔ اسے بھی معاشرہ اور مذہبی پیشوائیت کے

طعن و تشنیع کا ہدف بننا پڑتا۔ یوں نظر آتا ہے کہ یہ مشکل مرحلہ بھی حضرت ذکریاؑ کی کوششوں سے طے ہوا۔ انہوں نے یوسف نجار کو اس وادی پر خار میں قدم رکھنے پر آمادہ کیا"

اور پھر کہا جائے کہ "مذہبی پیشوائیت کی طرف سے شدید مخالفت کے پیش نظر ہیکل چھوڑنے کے بعد، انہیں ازدواجی زندگی کا امکان نظر نہیں آتا تھا۔

سچ کہا ہے اقبالؒ نے۔۔

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر
تاویل سے قرآں کو بنا سکتے ہیں پاژند

آیت بالا کے حوالے سے جناب پرویزؒ نے دو نکات بیان کیے ہیں۔

1۔ انہوں نے قرآن کریم کے ایک لفظ " كَذٰلِكِ " کے معنی "اللہ کے قانون تخلیق کے مطابق" بیان کیا ہے۔ (شعلہ مستور)

2۔ حضرت ذکریاؑ کے واقعہ کو، مریم صادقہؒ کے واقعہ سے مماثلت دی ہے۔

قرآن کریم کو سمجھنے کے حوالے سے ایک تکلیف دہ المیہ ہمیشہ ساتھ ساتھ چلتا رہا ہے۔ انسان اپنے عقائد کو ذہن میں رکھ کر آیات قرآنی کا معنی و مفہوم متعین کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی ایک لفظ کا غلط مفہوم اس آیت اور بعض اوقات پورے قرآن کی بنیادی تعلیم اور روح کو ہی بدل کر رکھ دیتا ہے۔

اس حوالہ سے میں نے اپنی کتاب "رزق کریم" میں سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ میں نے وہاں سورہ بقرہ کی ایک آیت مبارکہ (2:219) کو پیش کر کے قرآنی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ کس طرح محض ایک لفظ "ماذا" کے من مانے مفہوم سے قرآن کریم کا پیش کردہ تصور دین ہی تبدیل کر دیا گیا۔

قرآن کریم کے معاشی نظام کی بنیاد ہی تبدیل کر دی گئی۔

یہ ہی کچھ اس مقام پر بھی کیا گیا۔ اس آیت مبارکہ کے صرف ایک لفظ " كَذَٰلِكِ " کے غلط معنی سے موضوع زیر بحث کو اپنی مرضی و منشاء کا مفہوم دے دیا گیا۔ قرآن کریم کی بنیاد پر اپنے عقیدہ کو پرکھنے کے بجائے، مفہوم کے نام پر قرآنی آیات کو اپنے عقیدہ کے مطابق ڈھال لیا گیا۔

پرویزؒ نے اس ایک لفظ کے من مانے ترجمہ سے ولادت حضرت عیسیٰؑ کی قرآنی حقیقت کو اپنے ذہن میں موجود ایک باطل عقیدہ کا اسیر بنا دیا۔

بات کو التباس کا جامہ پہنا دیا۔

آیئے تصریف آیات کے قرآنی اصول کے تحت اس لفظ " كَذَٰلِكِ " کے حقیقی معنی و مفہوم کا تعین کرتے ہیں۔

كَذَٰلِكِ

قرآن کریم میں یہ لفظ تقریباً 86 بار استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی "اس ہی طرح" یا "ایسے ہی"

ہوتا ہے انگریزی میں اسے " **As it is** " کہا جاتا ہے

آیئے تصریف آیات کے قرآنی اصول کے تحت اس لفظ "كَذَٰلِكَ " کے حقیقی معنی و مفہوم کا تعین کرتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِينَ [٣٧:٣٤]

ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں [محمد جوناگڑھی]

إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ [٣٧:١٢١]

بے شک ہم نیکوکاروں کو اسی طرح صِلہ دیا کرتے ہیں، [طاہر القادری]

كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ [٢:٢٤٢]

اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنے احکام واضح فرماتا ہے تاکہ تم سمجھ سکو، [طاہر القادری]

كَذَٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ [٤٠:٦٣]

اسی طرح وہ لوگ بہکے پھرتے تھے جو اللہ کی آیتوں کا انکار کیا کرتے تھے، [طاہر القادری]

وَيَوْمَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُونَ مَا لَبِثُوا غَيْرَ سَاعَةٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَانُوا يُؤْفَكُونَ [٣٠:٥٥]

اور جس دن قیامت برپا ہوگی مُجرم لوگ قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی کے سوا ٹھہرے ہی نہیں تھے، اسی طرح وہ (دنیا میں بھی حق سے) پھرے رہتے تھے، [طاہر القادری]

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا ۚ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ [٣٧:١٠٥]

یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا، بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں [محمد جونا گڑھی]

وَإِذَا بَلَغَ الْأَطْفَالُ مِنكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوا كَمَا اسْتَأْذَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ [٢٤:٥٩]

اور جب تمہارے بچے عقل کی حد کو پہنچ جائیں تو چاہے کہ اُسی طرح اجازت لیکر آیا کریں جس طرح اُن کے بڑے اجازت لیتے رہے ہیں اِس طرح اللہ اپنی آیات تمہارے سامنے کھولتا ہے، اور وہ علیم و حکیم ہے [ابو الاعلی مودودی]

قَالُوا بَلْ وَجَدْنَا آبَاءَنَا كَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ [٢٦:٧٤]

وہ بولے: (یہ تو معلوم نہیں) لیکن ہم نے اپنے باپ دادا کو ایسا ہی کرتے پایا تھا، [طاہر القادری]

قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا ۖ وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنسَىٰ [٢٠:١٢٦]

ارشاد ہوگا: ایسا ہی (ہوا کہ دنیا میں) تیرے پاس ہماری نشانیاں آئیں پس تو نے انہیں بھلا دیا اور آج اسی طرح تو (بھی) بھلا دیا جائے گا، [طاہر القادری]

كَذَٰلِكَ يُوحِي إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ [٤٢:٣]

یہ ہے وہ طریق، جس کے مطابق وہ تیری طرف، اس کتاب کو بذریعہ وحی نازل کر رہا ہے۔ اس ہی طرح، اس نے انبیاء سابقہ کی طرف وحی نازل کی تھی۔ اس خدا نے جو حکمت اور حکومت کا مالک ہے۔ وہ بڑا صاحب غلبہ و تسلط ہے۔ لیکن

اس کا یہ غلبہ یکسر حکمت پر مبنی ہے۔ دھاندلی کا تسلط نہیں۔

مفہوم القرآن از جناب پرویزؒ

اس آخری آیت کا ترجمہ دانستہ طور پر، پرویزؒ کے "مفہوم القرآن" سے لیا گیا ہے۔ پرویزؒ نے بھی اس آیت مبارکہ میں اس لفظ " كَذٰلِكِ "کا ترجمہ " اس ہی طرح "کیا ہے۔ اب یہ سوچنا قارئین کے ذمہ ہے کہ پھر کیوں ؟؟؟؟؟؟؟؟؟

سورہ مریم کی آیت زیر بحث میں اس لفظ کا ترجمہ " اللہ کے قانون مشیت کے مطابق "کیا گیا؟

کیوں اس طرح اس ایک لفظ کے اس من مانے مفہوم کو اختیار کر کے، اپنے ذہن میں موجود کسی مخصوص عقیدہ کو سند دینے کی دانستہ کوشش کی گئی؟

پیش کرنے کو تو ساری کی ساری آیات مبارکہ دستیاب ہیں۔ لیکن طوالت کا خوف مانع ہے۔

تصریف آیات قرآنی کی رو سے اس لفظ "كَذٰلِكِ" کا معنی "اس ہی طرح "اور " ایسے ہی "ثابت ہوتا ہے

پورے قران میں اس لفظ کے یہ ہی معنی ہیں۔

چنانچہ آیت مبارکہ 3:47 اور 19:21 میں اس لفظ کے معنی " قانون خداوندی "نہیں، بلکہ اس کے معنی ہیں کہ ایسے ہی ہو گا۔ جس طرح تم کہہ رہی ہو۔ نہ تمہاری شادی ہو گی، اور نہ ہی تم بدکاری کرو گی۔ بلکہ وہ خالق کائنات تمہیں اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اس ہی حالت میں بیٹا عطا فرمائے گا۔ اس کے لئے

یہ بہت آسان ہے۔

حضرت ذکریا علیہ السلام

قرآن کریم میں حضرت ذکریاؑ اور مریم صادقہؓ کے واقعات ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ یہ دونوں ایک ہی وقت میں، ایک ہی مقام پر تھے۔ مشیت خداوندی سے مریم صادقہؓ کی کفالت کی ذمہ داری حضرت ذکریاؑ کے سپرد تھی۔

اس کی دوسری وجہ، دونوں کے یہاں اس وقت کے عام مشاہدے کے بر خلاف بچوں کی پیدائش تھی۔ حضرت ذکریاؑ کے یہاں، اولاد اس حالت میں ہوئی کہ یہ دونوں میاں بیوی عمر کے اس مقام پر تھے جہاں بچوں کی پیدائش ممکن نہیں تھی۔ اس ہی کے ساتھ، حضرت ذکریاؑ کی زوجہ محترمہ، جسمانی طور پر بھی بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ تھیں، لیکن اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت ذکریاؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ انہیں ایک بیٹا عطا فرمایا۔

گو کہ اللہ کریم کا یہ عمل بھی اس ہی کے مقرر کردہ "اندازے اور پیمانے" کے مطابق ہی تھا۔

لیکن اس وقت کے عام مشاہدے اور دستیاب معلومات کی بنیاد پر اللہ کریم کا یہ عمل اس وقت کے لوگوں کے لیے "خارق عادت" تھا۔۔۔ "معجزہ" تھا۔

آگے جا کر یہ ثابت کروں گا کہ حضرت ذکریاؑ کا واقعہ جس سے جناب پرویزؒ، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ کی

پیدائش کے عمل کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، در حقیقت یہ ہی واقعہ حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش کو ثابت کرتا ہے۔

حضرت ذکریاؑ کے حوالے سے قرآن کریم میں اس طرح بیان ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ [:]فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ [:]قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ [٣:٤٠]

یہ حال دیکھ کر زکریاؑ نے اپنے رب کو پکارا "پروردگار! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر تو ہی دعا سننے والا ہے، جواب میں فرشتوں نے آواز دی، جب کہ وہ محراب میں کھڑا نماز پڑھ رہا تھا، کہ "اللہ تجھے یحییٰؑ کی خوش خبری دیتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا اس میں سرداری و بزرگی کی شان ہو گی کمال درجہ کا ضابط ہو گا نبوت سے سرفراز ہو گا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا"، زکریاؑ نے کہا، "پروردگار! بھلا میرے ہاں لڑکا کہاں سے ہو گا، میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے" جواب ملا، "ایسا ہی ہو گا، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے"، [ابوالاعلی مودودی]

اس ہی واقعہ کو سورہ مریم میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

كهيعص [:]ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُ زَكَرِيَّا [:]إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا [:]قَالَ رَبِّ إِنِّي وَهَنَ الْعَظْمُ

مِنِّي وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا وَلَمْ أَكُن بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا [:] وَإِنِّي خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِن وَرَائِي وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا فَهَبْ لِي مِن لَّدُنكَ وَلِيًّا [:] يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا [:] يَا زَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيَىٰ لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِن قَبْلُ سَمِيًّا [:] قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَكَانَتِ امْرَأَتِي عَاقِرًا وَقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا [:] قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَقَدْ خَلَقْتُكَ مِن قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا [۱۹:۹]

ذکر ہے اُس رحمت کا جو تیرے رب نے اپنے بندے زکریاؑ پر کی تھی، جبکہ اُس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا، اُس نے عرض کیا "اے پروردگار، میری ہڈیاں تک گھل گئی ہیں اور سر بڑھاپے سے بھڑک اٹھا ہے اے پروردگار، میں کبھی تجھ سے دعا مانگ کر نامراد نہیں رہا، مجھے اپنے پیچھے اپنے بھائی بندوں کی برائیوں کا خوف ہے، اور میری بیوی بانجھ ہے تو مجھے اپنے فضلِ خاص سے ایک وارث عطا کر دے، جو میرا وارث بھی ہو اور آلِ یعقوب کی میراث بھی پائے، اور اے پروردگار، اُس کو ایک پسندیدہ انسان بنا"، (جواب دیا گیا) "اے زکریاؑ، ہم تجھے ایک لڑکے کی بشارت دیتے ہیں جس کا نام یحییٰؑ ہو گا ہم نے اِس نام کا کوئی آدمی اس سے پہلے پیدا نہیں کیا"، عرض کیا، "پروردگار، بھلا میرے ہاں کیسے بیٹا ہو گا جبکہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بوڑھا ہو کر سوکھ چکا ہوں؟" جواب ملا "ایسا ہی ہو گا تیرا رب فرماتا ہے کہ یہ تو میرے لیے ایک ذرا سی بات ہے، آخر اس سے پہلے میں تجھے پیدا کر چکا ہوں جب کہ تو کوئی چیز نہ تھا"،

[ابوالاعلی مودودی]

آیات بالا کا سیدھا سادہ مفہوم یہ ہے کہ حضرت ذکریاؑ نے ایسی صورتحال میں کہ جب وہ اور ان کی زوجہ محترمہ عمر رسیدہ ہو چکے تھے، ساتھ ہی ان کی زوجہ محترمہ بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے بھی محروم تھیں،

اللہ کریم سے اولاد کی دعا کی۔ اللہ کریم نے اپنے فضل سے حضرت ذکریاؑ کی دعا کو شرف قبولیت بخشا، انہیں ایک پاکیزہ بیٹے کی بشارت دی۔

اس بشارت پر حضرت ذکریاؑ نے انسانی فطرت کے عین مطابق حیرت کا اظہار کیا۔ کیونکہ ایک بچہ کی پیدائش کے لیے جن دنیاوی اسباب کی ضرورت تھی، وہ ان دونوں میاں بیوی میں موجود نہ تھے۔ حضرت ذکریاؑ کی اس حیرت کے جواب میں اللہ کریم نے کہا کہ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ تم اور تمہاری بیوی بوڑھے ہو چکے ہو۔ یہ بھی ٹھیک ہے کہ تمہاری بیوی بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود بھی ہم تمہیں ایک بیٹے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ جس کا نام یحییٰ ؑ ہو گا۔ یہ کام ہمارے لیے کچھ مشکل نہیں ہے۔ تمہیں اس ہی حالت میں اولاد کی نعمت عطا ہو گی۔ کیونکہ اللہ جو چاہتا ہے، کرتا ہے۔

حضرت ذکریاؑ کے اس واقعہ کے ضمن میں پرویزؒ نے اپنا نقطہ نظر اس طرح بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"قرآن مجید میں حضرت ذکریاؑ کی داستان حیات اس نقطہ کے گرد گردش کرتی ہے کہ وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ سلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ حضرت ذکریاؑ کے دل میں اولاد کی خواہش تو تقاضائے بشریت کے تحت غالباً اکثر رہتی ہو گی۔ لیکن اس نے جن حالات میں ایسی شدت اختیار کی کہ وہ دعا بن کر ان کے لبوں پر آگئی۔ قرآن کریم نے اسے بڑے حسین و بلیغ نفسیاتی انداز میں بیان کیا ہے۔ جیسا کہ ہم آگے چل کر دیکھیں گے، حضرت مریم کو ان کی ماں نے بچپن ہی میں ہیکل کی نذر کر دیا تھا۔ اور وہاں انہیں حضرت ذکریاؑ کی کفالت میں دے دیا گیا تھا۔

وہ بچی ان کے لئے بمنزلہ بیٹی کے تھی، اس لیے وہ اس سے بزرگانہ پیار اور پدرانہ محبت کی باتیں کرتے ہوں گے۔ ایک دن اس طرح کی باتیں کرتے ان کے دل میں اولاد کی آرزو نے جوش مارا۔

اس کے بعد مزید لکھتے ہیں۔

یہودیوں کے مراسم عبادت میں قربانی کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ اس کے لیے ان کے معبد میں ایک مخصوص مقام ہوتا تھا۔ جہاں جانوروں کی قربانی دی جاتی تھی۔ ان کا خون بہایا جاتا تھا۔ اس مقام کو محراب کہتے تھے۔ حضرت ذکریاؑ اس مقام پر کھڑے محو دعا تھے کہ ملائکہ نے بیٹے کی بشارت دی۔

حضرات انبیاء کرام کی طرف من جانب اللہ ملائکہ کی وساطت سے کس طرح وحی آتی تھی، اس کی حقیقت کے متعلق ہم نہ کچھ جان سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں۔ وحی خاصہ نبوت تھی۔ اور کوئی غیر نبی اس کی کنہ وماہیت کا ادراک نہیں کر سکتا۔

مزید لکھتے ہیں۔۔

حضرت ذکریاؑ نے بیٹے کی خوشخبری تو سن لی لیکن بشریت کے تقاضوں سے جو خیالات ان کے دل میں ابھرے، قرآن کریم نے ان کا ذکر نہایت بلیغ انداز میں کیا ہے۔ " قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ " یہاں "أَنَّىٰ "کا لفظ بڑا معنی خیز ہے۔ کہا کہ بارالہا، میرے یہاں اولاد ہونے کا یہ کون سا وقت ہے؟ "وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ "میں بوڑھا ہو چکا ہوں۔ اتنا ہی نہیں " وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ "اور میری بیوی بانجھ ہے۔ توان موانعات کے باوجود کیا مجھے سچ مچ کا بیٹا عطا ہو گا۔ یا جس طرح یہ بیٹی مریم مجھے ملی ہے اسی طرح کا بیٹا ملے

گا۔ جواب ملا کہ "كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ " نہیں تمہارے یہاں وہ بیٹا اسی طرح پیدا ہو گا جس طرح ہمارے قانون مشیت کے مطابق بیٹے پیدا ہوتے ہیں۔

جیسا کہ ہم سابقہ جلدوں میں بتا چکے ہیں۔ ہمارے مفسرین اور مترجمین کے سامنے جب ایسی آیات آتی ہیں، جن میں مایشاء، یا ماتشاء، کے الفاظ آئیں، تو ان الفاظ کا ترجمہ " جسے چاہتا ہے " اور " جیسے چاہتا ہے " کر کے یہ لکھ دیتے ہیں کہ یہ سب کچھ خدا کی مرضی پر موقوف ہے۔ وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس میں کسی قاعدے اور قانون کا کوئی دخل نہیں۔ لیکن ہم سابقہ جلدوں میں وضاحت سے بتا چکے ہیں کہ ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ خدا ایسا کچھ اپنے قانون مشیت کے مطابق کرتا ہے۔ خارجی کائنات میں اس قانون سے مراد قوانین فطرت یا طبعی قوانین ہیں۔ اور انسانی زندگی میں اس سے مطلب قانون مکافات عمل ہے۔ مخلوق خداوندی میں خدا کا ہر فیصلہ ان قوانین کے مطابق ہوتا ہے۔

زیر نظر آیت میں "كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ " کے متعلق بھی ہمارے مفسرین اور مترجمین نے یہ ہی کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ "ہم جو چاہتے ہیں کرتے ہیں" اور اس کے بعد کہا کہ خدا نے انہیں اپنی مشیت سے بیٹا عطا کر دیا۔

لیکن اگر اور تو اور، صرف، اولاد کے معاملہ میں ہی "مایشاء" کا قرآنی مفہوم سامنے رکھ لیا جائے تو بات واضح ہو جاتی ہے۔

سورہ الشوریٰ میں ہے۔

يَهَبُ لِمَن يَشَاءُ إِنَاثًا وَيَهَبُ لِمَن يَشَاءُ الذُّكُورَ [٤٢:٤٩]أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ [٤٢:٥٠] اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔

وہ بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹیاں اور بخشتا ہے جس کو چاہے بیٹے۔ یا انہیں دیتا ہے بیٹے اور بیٹیاں اور کر دیتا ہے جس کو چاہے بانجھ۔

اب میڈیکل سائنس اتنی ترقی کر گئی ہے کہ انہوں نے تحقیق کر لیا ہے کہ لڑکی کیوں پیدا ہوتی ہے اور لڑکا کیوں۔ جوڑے کس طرح پیدا ہوتے ہیں اور عورت یا مرد بانجھ کس طرح ہوتے ہیں۔ اور ان کا علاج کیسے ہوتا ہے۔ اس سے مایشاء کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

قصہ حضرت ذکریاؑ میں تو خود قرآن کریم نے "كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ "کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ" وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ "21:90، ذکریاؑ میں تو کوئی نقص نہیں تھا اس کی بیوی میں نقص تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے ہاں اولاد پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس کی اصلاح ہو گئی ہے۔ یعنی مناسب علاج کرنے سے وہ نقص دور ہو گیا اور ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔" وَأَصْلَحْنَا لَه "میں دونوں باتیں آ جاتی ہیں۔ یعنی یہ کہ حضرت ذکریاؑ میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت موجود تھی ان کی بیوی میں نقص تھا۔ سو اس کی اصلاح ہو گئی، اور وہ بھی اولاد پیدا کرنے کے قابل ہو گئی۔ یہ ہے مایشاء کی تفسیر۔ یعنی خدا کے قانون طبعی کے مطابق"

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 69

حضرت ذکریاؑ کے واقعہ کے ضمن میں جناب پرویزؒ کے مذکورہ بالا موقف کے کلیدی نکات یہ ہیں۔

1۔ حضرت ذکریاؑ اور ان کی زوجہ محترمہ دونوں عمر رسیدہ تھے۔

2۔ تقاضائے بشر کے مطابق، حضرت ذکریاؑ نے اپنے رب سے اولاد کی دعا کی۔

3۔ دعا کے بعد ابھی وہ ہیکل کی محراب میں ہی موجود تھے کہ ملائکہ نے انہیں حضرت یحییٰؑ کی بشارت دی۔

4۔ بیٹے کی بشارت ملنے پر حضرت ذکریاؑ نے حیرت کا اظہار کیا۔ کیونکہ عام طور پر بچوں کی پیدائش کے ضمن میں جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے ان کے معاملے میں وہ دستیاب نہ تھیں۔ کیونکہ وہ اور ان اہلیہ ضعیف تھے اور ان کی اہلیہ بانجھ بھی تھیں۔

5۔ حضرت ذکریاؑ کے اس استفسار پر انہیں یقین دلایا گیا کہ یہ سب کچھ خدا کے قانون مشیت کے مطابق ہو گا۔

6۔ پھر حضرت ذکریاؑ کی اہلیہ میں جو نقص تھا، وہ دور کر دیا گیا۔ اس طرح اس ضعیف العمری میں حضرت ذکریاؑ کے ہاں ایک بیٹے کی پیدائش ہوئی۔

7۔ یہ سب کچھ خدا کے قانون مشیت جو اس نے اولاد کی پیدائش کے حوالے سے بنا رکھا ہے، کے مطابق تمام طبعی تقاضوں کو پورا کر کے کیا گیا۔

8۔ ہمارے عام مفسرین اور مترجمین "مایشاء" اور "ماتشاء" کے معنی "اللہ جو چاہتا ہے" کرتے ہیں۔ جو

درست نہیں ہے۔ بلکہ اس کے معنی "خدا کا قانون مشیت" ہے۔

9۔ یہ کہ وحی خداوندی صرف انبیاء علیہ سلام کا خاصہ ہوتی ہے۔

خودساختہ عقائید انسانی

عام انسانوں کی طرح، پرویزؒ کے بھی کچھ مخصوص عقائد و نظریات تھے۔

وہ اس بات کے قائل تھے کہ خدا دنیا میں ہونے والے معاملات میں مداخلت نہیں کرتا بلکہ خدا نے اس کائنات کی تشکیل کے وقت کچھ قوانین طے کر دیئے تھے۔ اب جو کچھ بھی ہوتا ہے ان قوانین کے تابع ہوتا ہے۔ اس طرح انہوں نے اس جیتی جاگتی دنیا میں، اس کے تخلیق کار کو محض ایک خاموش تماشائی کا کردار سونپ دیا۔ قوانین کے مرتب کرنے والے کو اپنے ہی قوانین کا قیدی بنا دیا۔

میں نے اس موضوع پر اپنی کتاب "مجبور خدا" میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ قرآنی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ اس خدائے بزرگ و برتر نے اس کائنات کو تخلیق کیا ہے۔ اس میں موجود ہر شئے کی ابتداء سے اس کی انتہا تک کے تمام مراحل کے لیے "اندازے اور پیمانے" مقرر کیے ہیں۔ کائنات کی ہر شئے ان مقرر شدہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق اپنی انتہا کی جانب رواں دواں ہے۔ ہر دور کا انسان اپنے دور کے علمی انکشافات اور اپنے مشاہدے کو ہی کسی شئے کی انتہا سمجھ لیتا ہے۔ اسے غیر متبدل قانون خداوندی مان لیتا ہے۔ جب کہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ بعد میں آنے والے انسان اور اس کے دور کے علمی انکشافات، اس شئے کے حوالے سے کچھ نئی "قدریں" دریافت کر لیتے ہیں۔ اس طرح سابقہ دور کے

انسانوں کی نظر میں جو بات "غیر متبدل قانون" کے زمرے میں آتی تھی، اسے ایک نیا روپ مل جاتا ہے لیکن بد قسمتی سے اس دور کا انسان بھی اپنے دور کے علمی انکشافات اور مشاہدات کو "غیر متبدل قانون خداوندی" مان لیتا ہے۔

کائنات میں موجود ہر شئے، اپنے خالق کے مقرر کردہ "اندازوں اور پیمانوں" کے مطابق، ارتقائی منازل طے کرتی ہوئی اپنی منزل مقصود کی جانب محو سفر ہے۔ کسی دور کا انسان اس بات کے دعوے کا سزاوار نہیں ہو سکتا کہ اس کے دور تک کسی شئے کی جو جو "قدریں" دریافت ہو چکی ہیں، اس کے دور تک کے جو جو مشاہدات ہیں، یہ ہی اس شئے کی انتہا ہے اور اس شئے کے متعلق مزید کچھ نئے انکشافات سامنے نہیں آئیں گے۔

چنانچہ کسی مخصوص دور کے علمی انکشافات اور اس کے مشاہدات اس دور کے انسان کے لیے تو حجت ہو سکتے ہیں لیکن یہ ساری کائنات اور اسکے نظام پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نافذ نہیں کئے جاسکتے۔ ہر دور کا انسان اپنے دور میں ان اشیاء کائنات کی پوشیدہ "قدریں" دریافت کرے گا۔ یہ عمل تا قیامت جاری وساری رہے گا۔

پرویزؒ کا ایک اور نظریہ بھی تھا، کہ وحی ایک محدود عمل ہے۔ یہ صرف حضرات انبیاء کرام علیہ سلام سے مخصوص ہے۔ کسی انسان پر وحی کا نزول "دعویٰ نبوت" ہے۔

چنانچہ اپنے اس نظریہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

" حضرات انبیاء کرام کی طرف من جانب اللہ ملائکہ کی وساطت سے کس طرح وحی آتی تھی، اس کی حقیقت کے متعلق ہم نہ کچھ جان سکتے ہیں، نہ سمجھ سکتے ہیں۔ وحی خاصہ نبوت تھی۔ اور کوئی غیر نبی اس کی کنہ وماہیت کا ادراک نہیں کر سکتا۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 69

اپنے اس خود ساختہ نظریہ کی وجہ سے، پرویزؒ نے قرآن کریم کی ایسی واضح اور روشن آیات جن میں غیر از نبی پر وحی کا نزول بیان کیا گیا تھا، تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔۔ جب کہ قرآن کریم نص صریح کے ساتھ " ام موسیٰ " حواریان عیسیٰ " اور مریم صادقہؑ پر نزول ملائکہ اور کلام ملائکہ کو بیان کرتا ہے۔ ایسی آیات کے ایسے ایسے غیر ذمہ دارنہ اور طفلانہ استدلال بیان کیے کہ عقل حیران اور سوچ پریشان ہو جاتی ہے۔

بد قسمتی سے جب انسان اپنے عقائد ہی کو حرف آخر سمجھ لے، اور اسے ہر صورت میں مستند بھی کرنا چاہے تو پھر وہ عقل وخرد سے ماورا، کٹ حجتی کا مظاہرہ شروع کر دیتا ہے۔

یہ ہی وہ مرحلہ ہوتا ہے جہاں سے " تحریف قرآن " کی ابتداء ہوتی ہے۔

وحی کے موضوع پر اپنی معروضات پیش کرنے کا یہ موقعہ نہیں ہے، کیونکہ یہ موضوع ایک علیحدہ تصنیف کا متقاضی ہے۔ سر دست اس بات کو سمجھ لینا چاہیے کہ خدا جب بھی اپنی مخلوق کو کوئی ہدایت عطا فرماتا ہے تو اسے "وحی" کہا جاتا ہے۔" وحی " کا ایک معنی " خفیہ اشارے " کے بھی ہیں۔ خدا نے قرآن کریم میں مختلف اشیاء کائنات کی طرف "وحی" کا بیان کیا ہے۔ اس ہی طرح اس نے غیر از نبی پر "وحی"

کے نزول کا بھی ذکر کیا ہے۔ اشیاء کائنات اور غیر از نبی کی طرف "وحی" انفرادی ہدایت ہوتی ہے۔ اس طرح کی "وحی" ایک مخصوص دائرہ عمل میں، کسی مخصوص صورتحال کے تناظر میں، کسی مخصوص شئے یا فرد کو عطا کی جاتی ہے۔ اس "وحی" کا اطلاق اس مخصوص فرد تک ہی محدود ہوتا ہے۔ کائنات میں موجود کسی اور شئے یا فرد پر اس "وحی" کا اتباع لازم نہیں ہوتا۔ اس ہی وجہ سے اس طرح کی " وحی "کے لیے ابلاغ کا حکم نہیں ہے۔

حضرات انبیاءؑ پر نازل ہونے والی "وحی" دراصل بہت سارے انسانوں کی راہنمائی کے لیے ہوتی ہے۔ اس " وحی "کا موضوع عام انسانی زندگی اور ان کے معاملات سے ہوتا ہے۔ اس طرح کی "وحی" ایک مخصوص قوم کی طرف اجتماعی طور پر نافذ ہوتی ہے۔ اس ہی لیے حضرات انبیاء کرام، اس بات کے پابند تھے کہ وہ اللہ کی نازل کی ہوئی اس "وحی "کو حرف بہ حرف دوسرے انسانوں تک پہنچا دیں۔ اس ہی کو تبلیغ کہا جاتا ہے۔ ہر نبی اپنے دائرہ کار میں موجود تمام انسانوں تک اس ہدایت کو لازماً پہنچانے کا ذمہ دار ہوتا ہے

بد قسمتی سے جناب پرویزؒ " وحی خداوندی "کے ضمن میں اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر رہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں جہاں بھی ایسی کوئی آیت مبارکہ آئی، جو کسی عام انسان کی طرف اللہ کریم کی طرف سے "وحی "کے نزول کو بیان کرتی ہو، اس کا ایسا مفہوم بیان کیا جو عقل عام کے تقاضوں پر ہی پورا نہیں اترتا یہ ہی صورتحال، مریم صادقہؒ اور حضرت ذکریاؑ کے واقعات میں نظر آتی ہے۔

سب سے پہلے ہم "وحی" کے حوالے سے بات کرتے ہیں۔

آپ نے دیکھا کہ قرآن کریم نے سورہ آل عمران اور سورہ مریم میں مریم صادقہؓ اور ملائکہ کے درمیان مکالمات کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ذرا ترتیب وار اس پر غور فرمائیں۔

1۔ ملائکہ کا مریم صادقہؓ کی طرف آنا، انہیں ایک بیٹے کی بشارت دینا۔

2۔ مریم صادقہؓ کا اپنے مشاہدات کی روشنی میں اس بات پر حیرت کا اظہار کرنا کہ ان کے یہاں بیٹا کس طرح ہو سکتا؟

3۔ اس کے جواب میں ملائکہ کا کہنا کہ "قَالَ كَذَٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ" [١٩:٢١]

اب دیکھتے ہیں کہ حضرت ذکریاؑ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔

1۔ ملائکہ کا حضرت ذکریاؑ کی طرف آنا اور ان کو ایک بیٹے کی بشارت دینا۔

2۔ حضرت ذکریاؑ علیہ سلام کا اس پر اظہار حیرت کرنا۔ کیونکہ اولاد ہونے کے لیے اس وقت کے لحاظ سے جو دنیاوی اسباب درکار تھے، حضرت ذکریاؑ ان سے محروم تھے۔

3۔ اس کے جواب میں ملائکہ کا کہنا کہ " قَالَ كَذَٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ " [١٩:٩]

ان ساری آیات مبارکہ کو ایک جگہ اکھٹا کر کے پڑھیں۔ اس پر غور کریں۔

آپ دیکھیں گے کہ حیرت انگیز طور پر دونوں مقامات پر ہونے والے یہ مکالمات اور اس کا مضمون ایک

دوسرے سے حد درجہ مشابہت رکھتے ہیں۔

اور آخر میں ملائکہ کا دونوں کو یہ جواب کہ "قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ " کا ایک ایک لفظ زیر، زبر، پیش کی حد تک بھی ایک جیسا ہے، جو اس بات کا روشن اور بین ثبوت ہے، کہ ملائکہ کے توسط سے ان دونوں انسانوں کی طرف پیغام بھیجنے والی ہستی، ایک ہی ہے۔ اور پیغام لانے والے اللہ کریم کے فرشتے ہیں، انسان نہیں۔

ایسا نہیں ہے کہ یہ بات میرے تجزیہ کی محتاج ہے۔ بلکہ اللہ کریم نے تو "نص صریح" کے ساتھ اس حقیقت کو پہلے ہی بیان کر دیا ہے۔ یہ الگ بات کہ کوئی اتنی واضح اور روشن آیت کو ماننا ہی نہ چاہے۔ سمجھنا ہی نہ چاہے۔ اس ضمن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَاكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفَاكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ [٣:٤٢]

اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور تمہیں آج سارے جہان کی عورتوں پر برگزیدہ کر دیا ہے، [طاہر القادری]

سوال یہ ہے کہ کیا "یوسف نجار" کی طرف سے بھیجے گئے یہ نام نہاد "ملائکہ" جو بقول جناب پرویزؒ کے عام انسان تھے اس بات کو بیان کر سکتے تھے کہ اللہ کریم نے ان کے لئے کیا کیا سوچا ہے؟؟

آیت بالا تو صاف صاف پیغام خداوندی کی بات کر رہی ہے، جو اِن ملائکہ کے توسط سے مریم صادقہؑ کو عطا فرمایا گیا۔

اب اس قدر ٹھوس حقیقت کی موجودگی میں، کیا یہ بات باعث حیرت نہیں کہ جناب پرویزؒ، حضرت ذکریاؑ کے ساتھ مکالمات کرنے والے "ملائکہ" کو تو اللہ کی طرف سے بھیجے گئے فرشتے تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن مریم صادقہؑ کے ساتھ مکالمات کرنے والے ان ہی "ملائکہ" کو "یوسف نجار" کے نمائندے کے طور پر پیش کرتے ہیں انسان کہتے ہیں۔ فرشتہ تسلیم نہیں کرتے۔

اتنی واضح حقیقت کی موجودگی میں، قرآنی آیات کا ایسا من مانا مفہوم بیان کرنا، تمام تر حسن ظن کے باوجود یہ سوچنے پر مجبور نہیں کر دیتا ہے کہ کیا واقعی یہ انسانی سہو ہے؟؟

ام یحییٰ علیہ السلام

حضرت ذکریاؑ کے واقعہ میں جناب پرویزؒ نے ایک دوسری آیت مبارکہ کا ایسا استحصال کیا ہے جس پر دل افسردہ اور عقل پریشان ہو جاتی ہے۔ اس آیت مبارکہ کو جناب پرویزؒ، حضرت عیسیٰؑ کے بن باپ پیدائش کے نظریہ کے بطلان میں بطور ثبوت پیش کرتے ہیں۔ جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔۔

"قصہ حضرت ذکریاؑ میں تو خود قرآن کریم نے "كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ" کی تفسیر بیان کر دی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ " وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ "21:90، ذکریاؑ میں تو کوئی نقص نہیں تھا اس کی بیوی میں نقص تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے ہاں اولاد پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس کی اصلاح ہو گئی ہے۔ یعنی مناسب علاج کرنے سے وہ نقص دور ہو گیا اور ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔" وَأَصْلَحْنَا لَهُ "میں دونوں باتیں آجاتی ہیں۔ یعنی یہ کہ حضرت ذکریاؑ میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت موجود تھی ان کی بیوی میں نقص تھا۔ سو اس کی

اصلاح ہو گئی، اور وہ بھی اولاد پیدا کرنے کے قابل ہو گئی۔ یہ ہے مایشاء کی تفسیر۔یعنی خدا کے قانون طبعی کے مطابق"

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 69

آیت مبارکہ "كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ "کو ایک نظر دوبارہ دیکھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَالَ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي غُلَامٌ وَقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ ۖ قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ [۳:٤٠]

آیت بالا کے آخری حصہ کو جناب پرویزؒ، اس بات کے ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ حضرت ذکریاؑ کے یہاں اولاد کی پیدائش، خالصتاً دنیاوی تقاضوں، اور طبعی طریقہ کار کے مطابق ہوئی۔

اس کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ۔۔۔

" قصہ حضرت ذکریاؑ میں تو خود قرآن کریم نے "كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ "کی تفسیر بیان کر دی ہے اس نے کہا ہے کہ " وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ "21:90 ذکریاؑ میں تو کوئی نقص نہیں تھا اس کی بیوی میں نقص تھا۔ جس کی وجہ سے ان کے ہاں اولاد پیدا نہیں ہوتی تھی۔ اس کی اصلاح ہو گئی ہے۔یعنی مناسب علاج کرنے سے وہ نقص دور ہو گیا اور ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا۔"

آیئے آیت مبارکہ پر غور کرتے ہیں۔ جب ملائکہ نے حضرت ذکریاؑ کو بیٹے کی بشارت دی، تو اس پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے جناب ذکریاؑ نے کہا کہ میرے مالک، یہ کیسے ہو گا، جب کہ صورتحال یہ ہے کہ میں

بوڑھا ہو چکا ہوں، جب کے میری بیوی "عاقر" ہے۔

سب سے پہلے اس لفظ "عاقر" پر غور فرمائیں۔۔۔۔۔ عربی زبان میں اس لفظ کے معنی "بنجر" کے ہوتے ہیں "بانجھ" کے نہیں ہوتے۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے جسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں "بانجھ" کے لیے "عقیم" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

چنانچہ ارشاد فرمایا۔

أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَإِنَاثًا ۖ وَيَجْعَلُ مَن يَشَاءُ عَقِيمًا ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ قَدِيرٌ [٤٢:٥٠]

جسے چاہتا ہے لڑکے اور لڑکیاں ملا جلا کر دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے وہ سب کچھ جانتا اور ہر چیز پر قادر ہے [ابو الاعلی مودودی]

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے اس کتاب کے ابتدا میں بیان کیا گیا، عورت کا نظام تولید دوبارہ ملاحظہ فرمائیں اس کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ میں نے عرض کی۔۔

"عموماً، 45 سے 55 سال کی عمر کو پہنچ کر، عورت میں ان مخصوص نسوانی ہارمونز کی کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا ماہواری کا نظام، پہلے بے ترتیبی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اور بالآخر، اس کا اختتام ہو جاتا ہے۔ میڈیکل اصطلاح میں اسے "مینوپوز" (Menopause) کہتے ہیں۔ ہارمونز کی اس کمی کے بعد، اس عورت کی "بیضہ دانی" میں موجود سیل آہستہ آہستہ سکڑنا شروع ہو جاتے ہیں۔ ان سیل کی انڈوں میں

تبدیل ہونے کی صلاحیت ختم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ بیضہ دانی سکڑ جاتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں وہ عورت ،ماں بننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتی ہے۔

اس عمل کی ابتداء میں، اگر کچھ علاج کروایا جائے، تو اس عمل کی رفتار کم ضرور کی جاسکتی ہے۔ اس طرح اس عمل کو 55 سال سے بڑھایا جاسکتا ہے۔ لیکن اگر ایک بار، بیضہ دانی سکڑ جائے، اس کے سیل، تباہ ہو جائیں تو دنیا کی کوئی طاقت، اس عورت کو ماں نہیں بنا سکتی۔ اس مقام پر یہ بات بہت واضح طور پر بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی عورت "بانجھ" نہیں ہوتی۔ اسے "بنجر" کہتے ہیں۔

البتہ شکم مادر میں پرورش پاتے ہوئے، اگر کسی بچی کی "بچہ دانی"، "بیضاء دانی" یا "فیلو پین ٹیوب"، پوری طرح سے نہ بن پائے۔ یا کسی عورت کی "بچہ دانی" یا "فیلو پین ٹیوب"، کسی حادثہ کی وجہ سے، ضائع ہو جائے، تو ایسی عورت کو "بانجھ" کہتے ہیں۔ ایسی عورت آج تک کی علمی تحقیقات کی حد تک ماں نہیں بن سکتی۔ میڈیکل سائنس میں آج بھی اس کا کوئی علاج موجود نہیں ہے۔

ولادت حضرت عیسیٰؑ اور قرآن۔ صفحہ 7

"ام یحییٰؑ" سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئیں تھیں۔ وہ پیدائشی طور پر "بانجھ" نہ تھیں۔ قرآن کریم نے اس ضمن میں کہا کہ "وَأَصْلَحْنَا لَهُ زَوْجَهُ" ہم نے ان کی بیوی کی اصلاح کر دی۔ عربی زبان میں "صلح" کے معنی کسی شئے کا ویسا ہونا ہے، جیسا کہ اسے ہونا چاہیے یعنی اللہ کریم نے "ام یحییٰؑ" کو ویسا کر دیا، جیسا کہ وہ پہلے تھیں۔

اب اس مقام پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کریم نے ایسا کس طرح کیا۔

جناب پرویزؒ کہتے ہیں۔۔

" یعنی مناسب علاج کرنے سے وہ نقص دور ہو گیا اور ان کے ہاں بیٹا پیدا ہو گیا"۔

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 69

ایسا مرض جس کا علاج آج کی ترقی یافتہ میڈیکل سائنس میں بھی موجود نہیں، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ۔۔۔۔

آج سے ہزاروں سال قبل ایسی کون سی "Gynaecolgist" ماہر امراض نسواں، تھی جس نے یہ علاج کر دیا؟؟

وہ کون سا "Infertility Clinic" تھا، جس نے ایک ایسے مرض کا علاج کر دیا، جو آج بھی ممکن نہیں ہے ؟؟

آج میڈیکل کے ایک طریقہ کار "IUI" اور "IVF" کے ذریعے سینکڑوں عورتیں کسی مرد سے جسمانی اختلاط کے بغیر بچہ پیدا کر رہی ہیں۔ میڈیکل کے اس انقلابی طریقہ کو بیان کر کے ہم یہ کہیں کہ اگر آج ایک انسان اس خدا کی عطا کی ہوئی دانش وصلاحیت کی بناء پر کسی بھی عورت کو بغیر کسی مرد کے چھوئے ماں بنا سکتا ہے، تو وہ ہی خدا خود ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟؟؟؟

توجواب دیاجاتاہے کہ مریم صادقہؓ کے دور میں میڈیکل کی یہ سہولیات میسر نہ تھیں، اس زمانے میں "IUI" اور "IVF" کا طریقہ موجود نہ تھا۔اس لیے یہ بات عقل و شعور کے خلاف ہے۔

بلکل ٹھیک بات ہے مجھے تسلیم ہے۔

توپھر اس سوال کاجواب کون دے گا کہ اس ہی دور میں ایسا کون ساہسپتال تھا، کون سی ایسی ماہر ڈاکٹر تھیں ، یاڈاکٹر تھے جنھوں نے ام یحیٰ کے ایک ایسے مرض کوٹھیک کرلیا، جس کاعلاج آج بھی دستیاب نہیں؟

اگر ذہن میں کوئی مخصوص عقیدہ پہلے سے موجود نہ ہو ،تواس سوال کاجواب بلکل سادہ ہے کہ اس رب کائنات نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے یہ عمل کیا۔ایک طرف مریم صادقہؓ کوبغیر کسی مرد کے جسمانی اختلاط کے بیٹاعطافرمادیا۔تو دوسری طرف حضرت ذکریاؑ کی اہلیہ کو، باوجود اس کے کہ وہ بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہوچکی تھیں، ایک بیٹے سے نوازہ۔

یقیناً اللہ کریم کے یہ دونوں اعمال، اپنے ہی مقرر کردہ کسی نہ کسی "اندازے اور پیمانے" کے عین مطابق ہوں گے۔اس میں سے ایک "اندازہ اور پیمانہ" ہمارے دور کے انسان نے دریافت کرلیاہے جسے میڈیکل سائنس "IUI" اور " IVF "کے نام سے جانتی ہے۔جس کی بناءپر آج کاانسان بغیر کسی مرد کے جسمانی اختلاط کے عورت کوماں بناسکتاہے جسے قرآن نے "أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا" کہاہے۔

اوراس ہی بناءپر میں اس بات پر یقین کامل رکھتاہوں کہ مستقبل کا انسان "بنجر" اور "بانجھ" عورتوں کو ماں بنانے کا " اندازہ اور پیمانہ" بھی دریافت کرلے گا۔

چنانچہ جناب پرویزؒ کا آیت مبارکہ " كَذَٰلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ "کا بیان کردہ مفہوم ان کے ذہن کی اختراء تو ہو سکتی ہے، قانون خداوندی ہر گز نہیں۔

اس ہی مقام پر ایک بہت اہم نکتہ قابل توجہ ہے۔ آپ غور فرمائیں کہ مریم صادقہؓ کے واقعہ میں بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والی ایک عورت موجود ہے۔ جب کہ مرد نہیں ہے۔ دوسری طرف حضرت ذکریاؑ کے واقعہ میں، بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت رکھنے والا مرد موجود ہے، لیکن اس کی عورت بچہ پیدا کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے۔

اس ذات عظیم و برتر نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے اپنی صفت " العزیز اور الحکیم "کا مظاہرہ کیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو بغیر مرد کی موجودگی کے عورت کو اولاد سے نواز سکتا ہے، اور اگر چاہے تو ایک ایسی عورت کو بھی ماں بنا سکتا ہے، جو اس کی صلاحیت سے محروم ہو چکی ہو۔

اس ہی ضمن میں ایک اور نکتہ بھی بہت تفکر و تدبر کا متقاضی ہے۔

ایک جیسے حالات میں، اور ایک جیسے انداز میں اس رب کریم نے مریم صادقہؓ اور حضرت ذکریاؑ کو بیٹوں سے نوازہ۔ حضرت یحییٰؑ، کے حوالے سے ارشاد فرمایا۔

وَآتَيْنَاهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا [:]وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَكَانَ تَقِيًّا [:]وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا [:]وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا [۱۹:۱۵]

ہم نے اُسے بچپن ہی میں "حکم" سے نوازا، اور اپنی طرف سے اس کو نرم دلی اور پاکیزگی عطا کی اور وہ بڑا پرہیز گار، اور اپنے والدین کا حق شناس تھا وہ جبّار نہ تھا اور نہ نافرمان، سلام اُس پر جس روز کہ وہ پیدا ہوا اور جس دن وہ مرے اور جس روز وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے[ابوالاعلی مودودی]

حضرت عیسیٰؑ کے حوالے سے ارشاد فرمایا۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا [:]وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا [:]وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا [:]وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا [١٩:٣٣]

کہا بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے، اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں کہیں ہوں اور مجھے کو نماز اور زکواۃ کی وصیت کی ہے جب تک میں زندہ ہوں، اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا، اور مجھ پر سلام ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن مروں گا اور جس دن زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا[احمد علی]

بہت توجہ کی درخواست ہے قارئین محترم۔۔۔

دونوں انبیاء کے بیان کردہ الفاظ کی حیرت انگیز مماثلت کو نوٹ فرمائیں۔ دونوں کے متعلق کہا کہ انہیں کتاب دی گئی ہے، بابرکت بنایا گیا ہے۔ پھر آخری آیت کی حیرت انگیز مماثلت کہ " دونوں پر سلام ہے جس دن یہ پیدا ہوئے، جس دن مریں گے، اور جس دن زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے "۔۔۔ لیکن

حضرت یحییٰؑ کے لیے کہا کہ۔۔۔

وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا عَصِيًّا [۱۹:۱۴]

اور اپنے والدین کا حق شناس تھا وہ جبّار نہ تھا اور نہ نافرمان،

لیکن حضرت عیسیٰؑ کے لیے فرمایا۔۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا [۱۹:۳۲]

اور اپنی ماں کے ساتھ نیکی کرنے والا اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا،

بہت توجہ کی درخواست ہے۔ جب یہ ہی بات حضرت یحییٰؑ کہہ رہے ہیں کہ میں حق ادا کرنے والا ہوں، میں جبار نہیں، نافرمان نہیں، تو یہ بات اپنے ماں اور باپ دونوں کے لیے کہہ رہے ہیں۔

لیکن جب یہ ہی بات حضرت عیسیٰؑ کہہ رہے ہیں کہ میں سرکش نہیں ہوں، بدبخت نہیں ہوں بلکہ نیکی کرنے والا ہوں، تو یہ بات صرف اپنی ماں کے لیے کہہ رہے ہیں۔ باپ کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ ماں کا ذکر، صرف ماں کا۔۔ غور فرمائیں۔۔ بار بار غور فرمائیں۔ "فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ "؟؟؟؟؟؟؟؟؟

آیئے اس وادی اسرار کے مزید پردے اٹھاتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَحَمَلَتْهُ فَانتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا [۱۹:۲۲]

مریم کو اس بچے کا حمل رہ گیا اور وہ اس حمل کو لیے ہوئے ایک دُور کے مقام پر چلی گئی۔[ابوالاعلی مودودی]

جناب پرویز علیہ رحمہ نے اس آیت مبارکہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا۔ لکھتے ہیں۔

" چنانچہ رفتہ رفتہ وہ موانع دور ہوتے گئے، ادھر مریم کے دل سے خانقائیت کی غلط رسم کی خلاف ورزی کا خوف دور ہو گیا۔ ادھر ایک شخص ہیکل کے احبار و رہبان کی تنبیہ و تخویف کے باوجود مریم کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔ مریم کو ہونے والے بچے کا حمل قرار پا گیا۔ اس پر ان دونوں نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ وہ گاؤں سے کہیں دور چلے جائیں۔ تاکہ بچے کی ولادت کسی ایسی جگہ ہو، جہاں ان کی جان پہچان کا کوئی نہ ہو۔ اور یوں وہ احبار و رہبان کے طعن و تشنیع کے نشتروں سے محفوظ رہیں"

شعلہ مستور صفحہ 36

ذرا غور فرمائیں۔

مریم صادقہؒ، ہیکل چھوڑ کر اپنے ماں باپ کے پاس گاؤں آ گئیں، وہاں ایک شخص ان سے شادی پر رضامند ہو گیا، پھر ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ اب سوال یہ کہ اگر یہ سب کچھ ہیکل کے کسی قانون کی خلاف ورزی تھی، تو احبار و رہبان کی ساری ریشہ دوانیاں، طعن و تشنیع، سازشیں، مخالفتیں، تو اس موقع پر ہی ہونی چاہیے تھیں، جب مریم صادقہؒ شادی کر رہی تھیں۔ اصل تنازعہ تو شادی تھا، جو بقول جناب پرویزؒ کے اس وقت کے قانون ہیکل سے بغاوت تصور کی جاتی تھی۔

شادی شدہ عورت کے یہاں، بچے کا پیدا ہونا، تو کسی طور بھی ہیکل کے قانون کے خلاف نہ تھا۔ متنازعہ عمل تو مریم صادقہؑ کی شادی تھی۔ اب یہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ شادی کے چند گھنٹوں کے بعد بچے کی ولادت کا مرحلہ آگیا ہو گا۔ اس عمل کے لیے تو نوماہ کا عرصہ چاہیے۔

جتنا تنازعہ تھا، جتنی مشکلات تھیں، وہ تو شادی کے عمل کے ساتھ تھیں۔

اگر اس پورے عرصہ میں مریم صادقہؑ نے ان مشکلات اور مصائب کو برداشت کر لیا۔ احبار و رہبان کے طعن و تشنیع کو سہہ لیا۔ نوماہ تک بچے کا حمل لیے وہاں ہی مقیم رہیں، تو پھر آخر کیوں، بچے کی ولادت کے عین موقع پر اپنے گاؤں، اپنے ماں باپ سب کو چھوڑ کر کسی ویرانے میں چلی گئیں؟

بچہ کی ولادت کے موقع پر تو لڑکیاں خصوصی طور پر اپنی ماں کے پاس چلی جاتی ہیں، یا اپنی ماں کو اپنے پاس بلوا لیتی ہیں۔ تو پھر کیا وجہ تھی کہ مریم صادقہؑ نے، عین اس مرحلہ پر اپنی ماں کے پاس رہنے کے بجائے ایک ویرانے کو ترجیح دی؟؟

شادی کے نوماہ بعد، اس بچے کی پیدائش، ہیکل کے پجاریوں کے لیے متنازعہ بات کس طرح ہو سکتی تھی۔

ان پجاریوں نے جتنا فساد پھیلانا تھا، جتنے فتوے لگانے تھے، وہ تو شادی کے موقع پر لگ چکے ہونگے۔

جرم ایک راہبہ کا شادی کرنا ہی تھا، نہ کہ کسی شادی شدہ عورت کا بچہ پیدا کرنا۔

تو پھر کیوں مریم صادقہؑ اس اہم موقع پر اپنی ماں کا گھر چھوڑ کر کہیں اور چل دیں؟؟

اپنے اس مفہوم بالا میں، جناب پرویزؒ خود اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ مریم صادقہؓ کے دل سے ہیکل اور اس کے پجاریوں کا خوف ختم ہو چکا تھا۔

جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

" چنانچہ رفتہ رفتہ وہ موانع دور ہوتے گئے، ادھر مریم کے دل سے خانقائیت کی غلط رسم کی خلاف ورزی کا خوف دور ہو گیا۔

اب جب کہ ہیکل اور اس کے قوانین کی خلاف ورزی کا خوف مریم صادقہؓ کے دل سے ختم ہو چکا۔ مرد بھی ان پجاریوں کی تنبیہات سے بے پرواہ ہو کر ہیکل اور اس کے پجاریوں کے خلاف ڈٹ گیا، شادی ہو گئی۔ حمل ٹہر گیا۔ مریم صادقہؓ، نو ماہ تک بچہ پیٹ میں لئے اس ہی گاؤں میں چلتی پھرتی رہیں۔ تب تک تو کچھ نہ ہوا۔ لیکن عین بچے کی ولادت کے موقع پر ہیکل اور پجاری دوبارہ سین میں وارد ہو گئے۔ اور ان سے اتنا خوف پھیلا کہ مریم صادقہؓ نے اس گاؤں سے نکلنے میں ہی عافیت محسوس کی۔

ذرا غور کریں اس بے سر و پا، کہانی پر۔

اب ایک اور نکتہ پر بھی غور کرنا لازم ہے۔ جب کسی لڑکی کی شادی ہو جاتی ہے تو عموماً وہ لڑکی اپنے مرد کے ساتھ اس کی فیملی میں چلی جاتی ہے۔ ایک ایسی صورتحال میں، جب کہ اس شادی پر اتنا فساد ہو رہا تھا، یہ بات تو اور بھی زیادہ آئیڈیل ہو جاتی ہے کہ مریم صادقہؓ شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر چلی جاتیں لیکن

انہوں نے یہ بھی نہ کیا۔ اور عین بچہ کی ولادت کے موقع پر، اپنا گھر چھوڑ کر ایک ویرانے میں چلی گئیں۔

کیا یہ بات کسی بھی طرح عقل و شعور کے پیمانے پر پورا اترتی ہے ؟؟

آیئے اس آیت مبارکہ کو عربی زبان کے مطابق سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔۔

آیت مبارکہ میں لفظ " فَانتَبَذَتْ "استعمال ہوا ہے۔

یہ ہی لفظ آیت مبارکہ (19:16) میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کا مادہ "ن ب ذ" ہے۔

نبذ۔ کسی چیز کو اس لیے پھینک دیا، کہ اس کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ اس کے بنیادی معنی پھینکنے اور ڈالنے کے ہیں۔ چنانچہ "الانتباذ" کے معنی ایک طرف ہٹ جانا ہے۔ کنارہ کش ہو جانا ہے۔

لغات القرآن از جناب پرویزؒ

آیت بالا میں یہ لفظ " فَانتَبَذَتْ "، صیغہ غائب واحد مونث کا ہے۔ یعنی مریم صادقہؒ، اس حمل کو لئے، ہیکل سے نکل کر کہیں دور ایک طرف ہو گئیں۔ یہ آیت صرف اور صرف مریم صادقہؒ کے ایک طرف ہو جانے کو بیان کر رہی ہے۔

اب میں نہیں جانتا کہ عربی زبان کے کون سے قاعدے کے مطابق جناب پرویزؒ نے، اس آیت کے تحت مریم صادقہؒ کے ساتھ ان کے فرضی شوہر کو اپنے گھر سے نکال کر کسی ویرانے میں پہنچا دیا۔

جناب پرویزؒ کے یہ الفاظ "اس پر ان دونوں نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ وہ گاؤں سے کہیں دور چلے جائیں۔

تاکہ بچے کی ولادت کسی ایسی جگہ ہو، جہاں ان کی جان پہچان کا کوئی نہ ہو۔"

کیا عربی زبان کا کوئی ماہر، کوئی اہل زبان اس لفظ "فَانتبَذَتْ "میں کسی مذکر کو شامل کر سکتا ہے۔

کیا یہ لفظ "فَانتبَذَتْ "تثنیہ کا صیغہ ہے ؟؟

کیا قرآن کریم کے اس من جانب اللہ لفظ، جو ایک عورت کے کنارہ کش ہونے کا بیان کر رہی ہے، میں ایک فرضی مرد کو شامل کرنا، تحریف قرآن کے زمرے میں نہیں آتا؟؟؟

اگر پہلے سے کوئی مخصوص نظریہ ذہن میں موجود نہ ہو، تو آیت بالا صاف طور پر مریم صادقہؓ کا اپنے ہونے والے بچے کی ولادت سے کچھ قبل، ہیکل سے نکل کر کسی ایسی جگہ جانے کا بیان کر رہی ہے جہاں وہ ہیکل میں موجود احبار ورحبان کے طعن و تشنیع سے بچ کر بچے کی ولادت کے عمل سے گزر سکیں۔ کیونکہ جب تک بچہ ماں کے پیٹ میں تھا، اور چونکہ مریم صادقہؓ، ہیکل کے ایک مخصوص حصہ میں، حجاب میں رہتی تھیں، اس لیے کسی کو بھی اس حمل سے آگاہی نہ تھی۔ لیکن ولادت کے عمل سے گزرتے ہوئے اس حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا تھا۔

اس لیے وہ اکیلی اپنے بچے کے حمل کو لیے ہیکل سے دور کسی مقام پر چلی گئیں۔

اس کے بعد کے واقعات کو قرآن اس طرح بیان کرتا ہے۔

ارشاد ہوا۔

فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ إِلَىٰ جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا [۱۹:۲۳]

پھر زچگی کی تکلیف نے اُسے ایک کھجور کے درخت کے نیچے پہنچا دیا وہ کہنے لگی "کاش میں اس سے پہلے ہی مر جاتی اور میرا نام ونشان نہ رہتا" [ابو الاعلی مودودی]

آیت بالا کو بیان کرتے ہوئے جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

وضع حمل کا وقت آیا تو درد زہ کا اضطراب مریم کو ایک کھجور کے درخت کی طرف لے گیا۔ آئین خانقاہیت کے خلاف متاہل زندگی، پہلے بچے کی ولادت، پردیس کا معاملہ، بے سروسامانی کا یہ عالم، کہ سر پر چھت تک نہیں تھی۔ مریم گھبرا گئی اور کہنے لگی، اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی اور بلکل بھولی بسری ہو چکی ہوتی۔

غور کیجئے، قرآن نے " يَا لَيْتَنِي مِتُّ قَبْلَ هَٰذَا وَكُنتُ نَسْيًا مَّنسِيًّا "کے ایک مختصر ٹکڑے میں جذبات اور احساسات کی ایک پوری دنیائے نسائیت کو کس نادرہ کاری سے سمیٹ کر رکھ دیا ہے۔

شعلہ مستور صفحہ 36

ذرا غور فرمائیں، ایک عورت اتنی بہادر کہ پورے ایک نظام سے ٹکرا گئی۔ روایات کے بندھن توڑ کر، سینہ تان کر اپنی مرضی سے شادی کر لی۔

لیکن جب بچہ پیدا کرنے کا وقت آیا، تو اتنی کمزور کہ موت کی دعائیں مانگنے لگی۔

ان ہی احبار ور ہبان سے ڈر کر کسی ویرانے میں فرار ہو گئی جن کے اقتدار کو چیلنج کیا تھا۔

پرویز علیہ رحمہ کے بیان کردہ سارے فسانے کی بنیاد تو صرف ایک ہی ہے کہ مریم صادقہ ؓ کتنی بہادر خاتون تھیں، قرآن کریم میں "عیسی ابن مریم" کے الفاظ کی وجہ بھی یہ ہی بیان فرماتے ہیں کہ جناب حضرت عیسیٰ ؑ کی والدہ مریم ؑ ایک نامی گرامی خاتون تھیں۔ کیسے ہو گئیں وہ اتنی نامی گرامی، کہا کہ انھوں نے نظام خانقاہیت کے خلاف بغاوت کی تھی۔

ایک طرف بہادری کا یہ عالم۔ اور دوسری طرف، کسی ویرانے میں، موت کی دعائیں۔

سچ کہا ہے، جب انسان اپنے عقائد کو ثابت کرنے پر آجائے، تو نہ اس کے لئے کسی دلیل کی ضرورت رہتی ہے، نہ انسانی رویوں کی۔

ماں بننا ایک عورت کی زندگی کی سب سے بڑی آرزو ہوتی ہے۔ ایک عورت کی زندگی کی معراج ہوتی ہے۔ جن کے یہاں اولاد نہیں ہوتی، ہم نے انہیں در بدر پھرتے دیکھا ہے، مزاروں پر، آستانوں پر، ہسپتالوں میں۔۔ اولاد کی بھیک مانگتے ہوئے، گڑ گڑاتے ہوئے۔

وضع حمل کا وقت واقعی بڑا تکلیف دہ ہوتا ہے۔ عام حالت میں انسان اس تکلیف کو برداشت نہیں کر پاتا۔ لیکن یہ ماں کا ہی حوصلہ ہوتا ہے۔ ایک عورت اپنی زندگی میں ایک بار نہیں، بار بار خوش خوش اس مرحلے سے گزرتی ہے۔

ماں بننے کی مسرت، بچے کو جنم دینے کی تکلیف سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس بات کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی عورت ماں بننے کے عمل پر مر جانے کو ترجیح دے۔ موت کی آرزو کرے۔

صاف سمجھ میں آرہاہے کہ مریم صادقہؑ، جن حالات میں ان مراحل سے گذر رہی تھیں، وہ ایک غیر شادی شدہ لڑکی کے لیے جسمانی تکلیف سے زیادہ ذہنی اور روحانی اذیت کا باعث تھے۔

پہلے بچے کی پیدائش، بے سروسامانی، نہ ماں نہ باپ نہ کوئی اور انسان۔ نہ کھانے کو، نہ پینے کو۔ ایک سناٹا اور ہو کا عالم۔ اس ہی کے ساتھ دل میں اس بات کا اضطراب، کہ کس طرح لوگوں کو مطمئن کروں گی کہ پیدا ہونے والے بچے کا باپ کون ہے۔ کیسے لوگوں کو سمجھا پاؤں گی کہ پیدا ہونے والا بچہ، اللہ کریم کی قدرت کا مظہر ہے، کسی بدکاری کا نتیجہ نہیں۔ ایسے میں اس طرح کے الفاظ میں ہی کوئی اپنی دلی کیفیت کو بیان کر سکتاہے، جو مریم صادقہؑ نے استعمال کئے۔

جو بدقسمتی سے، جناب پرویزؒ کو جذبات اور احساسات کی ایک پوری دنیائے نسائیت کی نادرہ کاری لگی۔ اس سلسلہ میں قرآن کریم مزید بیان کرتا ہے۔

فَنَادَاهَا مِن تَحْتِهَا أَلَّا تَحْزَنِي قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا [:]وَهُزِّي إِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا [۱۹:۲۵]

فرشتے نے پائنتی سے اس کو پکار کر کہا" غم نے کر تیرے رب نے تیرے نیچے ایک چشمہ رواں کر دیا ہے۔۔

اور تو ذرا اِس درخت کے تنے کو ہلا، تیرے اوپر ترو تازہ کھجوریں ٹپک پڑیں گی[ابوالاعلی مودودی]

جناب پرویزؒ نے ان آیات مبارکہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

اس کرب ویاس کے عالم میں اسے اس مقام کے نشیب سے آواز آئی اے مریم گھبراؤ نہیں، اس طرف ایک خوشگوار پانی کی ندی ہے اور اوپر کھجور کے درخت میں پکی ہوئی کھجوروں کے خوشے لٹک رہے ہیں، تو کھجور کے درخت کا تنا پکڑ کے اپنی طرف ہلا، تازہ اور پکے ہوئے پھلوں کے خوشے تجھ پر گرنے لگیں گے

شعلہ مستور صفحہ 36

جب انسان کے ذہن میں کوئی مخصوص عقیدہ پہلے سے موجود ہو، اور اس نے بس اس عقیدہ کو کسی نہ کسی طرح ثابت کرنا ہو، تو اس طرح کی تضاد بیانیاں لازم ہیں۔

ذرا غور فرمائیں، جناب پرویزؒ نے ان آیات سے پہلے کی آیات میں کیا کہا۔

" چنانچہ رفتہ رفتہ وہ موانع دور ہوتے گئے، ادھر مریم کے دل سے خانقائیت کی غلط رسم کی خلاف ورزی کا خوف دور ہو گیا۔ ادھر ایک شخص ہیکل کے احبار ورہبان کی تنبیہ و تخویف کے باوجود مریم کے ساتھ شادی کرنے پر رضامند ہو گیا۔ مریم کو ہونے والے بچے کا حمل قرار پا گیا۔ اس پر ان دونوں نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ وہ گاؤں سے کہیں دور چلے جائیں۔ تا کہ بچے کی ولادت کسی ایسی جگہ ہو، جہاں ان کی جان پہچان کا کوئی نہ ہو۔ اور یوں وہ احبار ورہبان کے طعن و تشنیع کے نشتروں سے محفوظ رہیں"

شعلہ مستور صفحہ 36

اب غور فرمائیں، اس کے بعد کی ساری آیات مبارکہ میں کہیں آپ کو مریم صادقہؓ کے شوہر کا وجود نظر آتا ہے؟؟

ایک عورت ویرانے میں پڑی بچہ کی پیدائش کے عمل سے گزر رہی ہے۔ نہ کھانے کو کچھ ہے نہ پینے کو۔ ایسے میں کوئی صدا دیتا ہے کہ نیچے پانی کی ندی ہے، وہاں سے پانی پی لے، کھجور کے درخت کے تنے کو ہلا، کھجوریں گریں گی، انھیں کھالے۔

تو آخر وہ شوہر نامدار کیا کر رہے تھے؟؟

یہ کیسا شوہر تھا، جو اپنی بیوی کو بجائے اپنے کسی رشتہ دار یا ماں باپ کے گھر لے جانے کے، ایک ویرانے میں لے آیا۔ وہاں اسے بے یارو مددگار چھوڑ دیا کہ خود ہی کھجور کے درخت کا تنا ہلائے اور کھائے۔

اس مقام پر یہ سوال بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ نیچے کی جانب پانی کی ندی کی خوشخبری دینے والا کون تھا؟؟

جناب پرویزؒ کے عقیدے کے مطابق، یہ پیغامبر، فرشتہ تو ہو نہیں سکتا۔

تو کیا یہ کوئی انسان تھا؟

اگر یہ کوئی انسان تھا، تو بجائے مریم صادقہؓ کے شوہر کو راستہ بتانے کے، براہ راست مریم صادقہؓ کو کیوں بتا رہا ہے اور وہ ایک بچہ جنتی عورت کے نزدیک کس طرح آگیا؟

یہ انسان کتنا سنگ دل تھا کہ ایک ویرانے میں، ایک بے سہارا بے بس عورت کو کسمپرسی کی حالت میں صرف یہ بتا کر چلا گیا کہ نیچے پانی موجود ہے، خود جا کر پی لے ؟

ہزاروں سال پہلے کے لوگ تو چھوڑیں، آج کے دور ناقص میں بھی کیا ہم میں سے کوئی اس بات کا تصور تک کر سکتا ہے کہ ایک عورت ایسے کسمپرسی کے عالم میں ایک ویرانے میں ہو، اور ہم اس کو پانی تک مہیانہ کریں؟؟

کیا یہ ممکن ہے ؟؟

اپنے ذہن کو کسی مخصوص عقیدے سے پاک کر کے غور فرمائیں، کیا کسی عورت کے شوہر کا یہ ہی کردار ہوتا ہے، خصوصاً اس شوہر کا، جس نے اس عورت سے شادی کرنے کے لئے، وقت کی طاقتور ترین مذہبی پیشوائیت سے براہ راست ٹکر لی۔

گھر سے نکلنے کے بعد، اس شوہر کا کہیں وجود نظر نہیں آتا، سوائے جناب پرویزؒ کے ذہن رسا کے۔

آخر کیوں کتاب اللہ، پرویزؒ کے بیان کے مطابق، شادی سے پہلے شوہر صاحب اور اسکے نمائندوں کا مریم صادقہؓ سے بار بار ملنا، اسے بیٹے کی خوشخبری دینا تو بیان کرتا ہے لیکن شادی کے بعد، اس شوہر کو دودھ کی مکھی کی طرح نکال باہر کرتا ہے۔ آخر کیوں؟؟؟؟

کیونکہ ایسی کسی شئے کا وجود ہی نہ تھا۔

یہ تو کسی انسانی ذہن کی سوچ ہے۔ایک خود ساختہ عقیدہ ہے۔ جسے زبردستی ثابت کرنے کی کوشش میں، قرآن کریم کی آیات کو مذاق بنادیا گیا۔ اس سلسلہ میں مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا [١٩:٢٦]

پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی"[ابوالاعلی مودودی]
جناب پرویزؒ، اس آیت مبارکہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔۔

تو ان تازہ کھجوروں کو کھا، ندی کا ٹھنڈا پانی پی، پھر بچے کے نظارے سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر، باقی رہا تیرا یہ اضطراب کہ لوگوں کی باتوں کا کیا جواب دوں گی تو تم منت کا روزہ رکھ لینا۔ اور اگر کوئی آدمی تجھ سے کچھ پوچھے تو اشارے سے کہہ دینا، کہ میں نے خدائے رحمان کے لئے اپنے اوپر روزہ واجب کر رکھا ہے اس لئے آج میں کسی سے بات نہیں کر سکتی۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی اس بخشش اور عنایت کے لئے بطور تشکر و امتنان روزہ رکھیں۔ جیسا کہ حضرت ذکریاؑ کے تذکرہ میں لکھا جاچکا ہے، یہودیوں کے یہاں روزہ کی حالت میں بات چیت نہیں کی جاتی تھی۔

شعلہ مستور صفحہ 37

پرویزؒ کے یہ الفاظ "باقی رہا تیرا یہ اضطراب کہ لوگوں کی باتوں کا کیا جواب دوں گی تو تم منت کا روزہ رکھ لینا

سوال یہ ہے کہ کس شئے کا اضطراب تھا، مریم صادقہؑ کو؟

ایک ایسی عورت جس نے اپنے وقت کی ظالم و جابر مذہبی پیشوائیت سے براہ راست ٹکراو مول لیا۔ وہ ہیکل کی مجرد زندگی ترک کر کے، باہر نکل گئی اور اس وقت کے ہیکل کے قوانین کے علی الرغم، ایک مرد سے شادی کرلی۔

تو اب بچے کی پیدائش میں ایسی کیا بات تھی جو مریم صادقہؑ کو مضطرب کر رہی تھی؟

کیوں اس مقام پر وہ ان ہی مذہبی پیشواؤں سے اتنی خوفزدہ ہو رہی تھیں؟

ایسا کیا جرم کر لیا تھا انہوں نے، کہ جس کا جواب بھی ان سے نہ بن پائے، اور اس مشکل سے نکالنے کے لئے اللہ کریم انہیں روزہ رکھنے کا مشورہ دیں، تا کہ لوگوں کے سوالات کے جوابات سے بچ سکیں؟

جب وہ ہیکل کے قوانین کو ٹھکرا کر، وہاں سے نکل گئیں، ایک مرد سے شادی کرلی۔ تو پھر اس شادی کے نتیجہ میں ایک بچے کی پیدائش میں ایسا کون سا راز پوشیدہ تھا، کون سا ایسا خلاف قانون کام کر لیا تھا، جس کے بارے میں مریم صادقہؑ خود سے کوئی جواب دینے کے قابل بھی نہ تھیں۔

یہ صورتحال تو واضح طور پر اس حقیقت سے پردہ اٹھا رہی ہے کہ مریم صادقہؑ، کو ٹھہرنے والا حمل، شادی کا نتیجہ نہ تھا۔ وہ ایک معصوم اور بے ضرر خاتون تھیں۔ اپنے وقت کے مذہبی پیشواؤں کا احترام کرنے والی۔ ہیکل میں ایک راہبہ کی زندگی بسر کرنے والی۔ اپنی عصمت اپنی عفت کی حفاظت کرنے والی۔ ہیکل کے ایک ایک قانون کی اطاعت کرنے والی۔ وہاں کے مذہبی پیشواؤں سے خوفزدہ رہنے والی۔

یہ ہی وجہ تھی کہ جب مشیت خداوندی سے اللہ کریم نے انہیں ایک ایسے بچے کی ماں بنادیا، جس کے نہ باپ کا پتہ تھا، اور نہ خاندان کا۔ نہ ہی یہ معصوم لڑکی جانتی تھی کہ یہ سب ہوا کیسے ؟

نہ ہی اس کے پاس اپنی سچائی، اپنی پاک دامنی کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت تھا۔

اگر مریم صادقہ ؓ کسی طرح اپنی بات اپنے لوگوں کی سمجھانے کی کوشش بھی کرتیں، تو کوئی بھی ان کا یقین نہ کرتا۔

ایسی صورتحال میں، کسی ایسے ثبوت کی ضرورت تھی، جسے ان کی قوم جھٹلا ہی نہ سکے۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اللہ کریم نے انہیں اس وقت کے رواج کے مطابق، روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ کیونکہ اس وقت یہودیوں میں روزہ کی حالت میں بات چیت ممنوع تھی۔

اللہ کریم نے مریم صادقہ ؓ کو کہا کہ جب جواب دینے کی باری آئے، تو اپنے اس نومولود بیٹے کو سامنے کر دینا پھر یہ بچہ خود تمہاری پاک دامنی اور سچائی کو ثابت کر دے گا۔ یہ ہی مریم صادقہ ؓ نے کیا۔

اس سلسلہ میں مزید ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ ۖ قَالُوا يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا [:]يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا [:]فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا [١٩:٢٩]

پھر وہ اس (بچے) کو (گود میں) اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آگئیں۔ وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو بہت ہی عجیب چیز لائی ہے۔۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بد چلن تھی۔۔ تو مریم نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا، وہ کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں جو (ابھی) گہوارہ میں بچہ ہے، [طاہر القادری]

محترم قارئین توجہ فرمائیں۔۔۔

قرآن کریم کی آیات بالا، اپنے معنی و مفہوم میں کتنی واضح اور سمجھنے میں کتنی آسان ہیں۔ کوئی پیچ و خم نہیں ہے۔ کوئی اشتباہ نہیں ہے۔ مضمون کا تسلسل بیان کر رہا ہے کہ مریم صادقہؓ نے ایک ویرانے میں، حضرت عیسیٰؑ کو جنم دیا۔

بچے کی پیدائش کے بعد، اب مریم صادقہؓ کے پاس کیا ممکنات تھیں؟

وہ کہاں جاتیں؟

اگر وہ شادی شدہ ہوتیں، تو پہلے دن ہی اپنے سسرال چلی جاتیں، اگر سسرال نہیں جاسکتی تھیں تو اپنے شوہر کے ساتھ کسی اور جگہ جا کر بس جاتیں۔ اور اپنے نئے گھر میں اپنے بچے کی پیدائش کے مرحلے سے گزرتیں۔ کیوں ایک ویرانے میں بچہ کی پیدائش کے اس کار مشکل سے گزریں؟

چونکہ وہ اکیلی تھیں، ان کی شادی نہیں ہوئی تھی، اس لئے ان کے پاس اس ایک بات کے علاوہ اور کوئی راستہ ہی نہ تھا، کہ وہ اپنی قوم میں واپس آئیں۔

لازماً انہیں اپنی قوم میں ہی لوٹ کر آنا تھا۔۔

یہ ہی مشیت خداوندی بھی تھی، کیونکہ اللہ کریم نے پہلے ہی اپنے فرشتوں کے ذریعے مریم صادقہؑ کو یہ پیغام بھجوادیا تھا کہ یہ بچہ لوگوں کے لئے ایک نشانی ہو گا"وَلِنَجْعَلَهُ آيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا " [۱۹:۲۱]

اور جیسا کہ یہ خدشہ پہلے ہی سے موجود تھا کہ مریم صادقہؑ کی قوم، ایک کنواری لڑکی کے اس طرح ماں بننے کے عمل کو قبول نہیں کرے گی، ان پر طعن و تشنیع، اور بدکرداری کے الزامات لگائے جائیں گے انہیں رسوا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس خدشہ کے پیش نظر اللہ کریم نے مریم صادقہؑ کو پہلے ہی اس بات کی تاکید فرمادی تھی کہ تم نے کسی سے بات نہیں کرنی، بلکہ تم روزہ رکھ لینا۔ کیونکہ یہودیوں میں روزہ کی حالت میں کلام نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے جب کوئی تم سے سوال جواب کرے تو اشارے سے بتا دینا کہ میں نے رحمٰن کا روزہ رکھا ہے۔

یہ ہی مریم صادقہؑ نے کیا۔ وہ اپنے نومولود بچے کو گود میں اٹھائے، جیسے ہی وہ اپنی قوم میں پہنچیں، حسب توقع، ساری قوم مریم صادقہؑ پر طعن و تشنیع و ملامت پر اتر آئی۔ کوئی کہنے لگا کہ مریم یہ تم نے کیا کیا۔ نہ تو تمہارا باپ برا آدمی تھا، اور نہ ہی تمہاری ماں بدکردار۔ پھر تم نے یہ کیا کیا۔

اس کے جواب میں مریم صادقہؑ نے اشارے سے اپنی قوم سے کہا کہ تم اس بچہ سے بات کرو، یہ تمہاری بات کا جواب دے گا۔ کیونکہ میں نے روزہ رکھا ہوا ہے۔ مریم صادقہؑ کے اس جواب پر ان کی قوم کے

لوگ اور مشتعل ہو گئے، کہ کیا کہہ رہی ہو۔ ہم اس بچہ سے بات کریں، جو اس عمر میں ہی نہیں ہے جس میں بچے بات کر سکتے ہوں۔ یہ پنگھوڑے کا بچہ، ہمارے ساتھ کلام کس طرح کر سکتا ہے۔

آپ غور فرمائیں، ولادت حضرت عیسیٰؑ کے حوالہ سے قرآن کریم کی ابتدائی آیات سے لے کر، ان آیات مبارکہ تک کے مضمون کا تسلسل، کیا بیان کر رہا ہے۔ اگر ذہن میں پہلے سے کوئی مخصوص نظریہ موجود نہ ہو۔ اگر انسان کسی مخصوص عقیدہ کا قیدی نہ ہو۔ تو ان ساری آیات کو سمجھنے کے لئے کسی افلاطون کے دماغ کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔

سیدھی سادی آیات ہیں، تسلسل ہے، کوئی ابہام نہیں ہے۔

لیکن کیا کیا جائے انسان کے ذہن میں موجود کچھ خودساختہ عقائد و نظریات کا۔

اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ قرآن کریم کی اتنی واضح آیات، اتنے آسان بیان کے ہوتے ہوئے، اپنے نظریات پر نظر ثانی کی جاتی۔ ان پر مزید تفکر و تدبر کیا جاتا۔ اور پھر ان آیات قرآنی کی روشنی میں، اپنے خودساختہ عقائد کو قرآن کریم کے مطابق ڈھالا جاتا۔

لیکن نہیں صاحب۔ اگر یہ کر لیا جائے تو پھر اس زعم باطل کا کیا ہو، کہ ہم تو بہت بڑے مفکر ہیں، فلاسفر ہیں۔

جو کچھ ہم نے سمجھا وہی درست ہے۔

ہم سے پہلے کے سب لوگ نالائق تھے۔ انہیں نہ تو عربی زبان سے کوئی واقفیت تھی، نہ ہی انہیں دین کی کوئی سمجھ تھی۔

اب چونکہ ان آیات میں، سب سے بڑا مسئلہ ایک نوزائیدہ بچے کا، لوگوں سے کلام ہے۔ اور یہ بات اگر مان لی جائے تو پھر، اس سوچ کا کیا ہو گا کہ "اللہ نے اس کائنات کو تخلیق کیا، اس کے کچھ قوانین بنائے، اور پھر خود ان قوانین کے تابع ہو گیا، اور انسانی بچہ کے لئے قانون یہ ہے کہ وہ فصیح و بلیغ گفتگو، جوانی میں ہی کر سکتا ہے، بچپن میں نہیں۔

اس لئے یہاں بھی لازمی تھا کہ آیات بالا کو، مفہوم کے نام پر اپنے عقائد کی بھینٹ چڑھا دیا جائے۔ چنانچہ یہ ہی کیا گیا۔

جناب پرویزؒ نے ان آیات مبارکہ کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

اس طرح عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی۔ میاں بیوی اس بچے کو لے کر، کسی دور مقام میں جابسے۔ وہ بڑا ہوا، شرف نبوت سے سرفراز کیا گیا۔ تو اس کی والدہ اسے لے کر اپنے وطن واپس آئیں۔ ایک تو لوگوں کے نزدیک مریم کی یہ حرکت ہی کچھ کم قابل اعتراض نہ تھی کہ اس نے راہبہ بن جانے کے بعد، ہیکل کے ضابطہ کے خلاف اس طرح متاہل زندگی بسر کرنا شروع کر دی تھی۔ اس پر عیسیٰؑ کی طرف سے احبار و رہبان کی خود ساختہ شریعت اور ان کے سیرت و کردار کے خلاف سختی سے نکتہ چینی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ مریم سے کہتے کہ تم نے پہلے خود بھی عجیب و غریب حرکت کی۔ اور اس کے بعد اس قسم کا انوکھا بیٹا لے کر آ گئیں۔

وہ اس سے کہتے اے اخت ہارون، نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا۔ نہ ہی تیری ماں نے کبھی ہیکل کے قوانین وضوابط سے سرکشی اختیار کی تھی۔ تم تو ایک شریف، مذہب پرست، پابند شریعت گھرانے کی لڑکی تھیں۔ تم نے یہ کیا کیا۔ اور اپنے بیٹے کو کس قسم کی تعلیم دلوائی۔

اس کے جواب میں وہ خود کچھ نہ کہتی بلکہ عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کر دیتی کہ اپنی بات کا جواب اس سے لو۔ بوڑھے احبار و رہبان اپنی پیشوائیت کے گھمنڈ میں، نہایت نخوت و تکبر سے کہتے کہ کیا ہم اس سے بات کریں جو ابھی کل تلک جھولا جھولتا تھا۔

مفہوم القرآن از جناب پرویزؒ

پرویزؒ نے آیات بالا کا جو مفہوم بیان کیا، اس سے وہ یہ بات ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان تمام آیات کا تعلق حضرت عیسیٰؑ، کی جوانی کے واقعات سے ہے۔

ظاہر ہے کہ جس عقیدہ کو لے کر جناب پرویزؒ نے اس سارے واقعہ کو، افسانوی رنگ دیا۔ وہ اس امر کی اجازت ہی نہیں دیتا کہ ان آیات کا وہ مفہوم بیان کیا جائے تو قرآن کریم کا مطمع نظر ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ باطل کبھی بھی حق کے آگے ٹھہر نہیں سکتا۔

ایسا کوئی عقیدہ یا نظریہ جو اللہ کی کتاب کے خلاف ہو، کیسے اس طرح کی لن ترانیوں سے ثابت کیا جا سکتا ہے؟

سب سے پہلے تو جناب پرویزؒ کا آیت مبارکہ 19:27، کے مفہوم پر غور کرتے ہیں۔

جناب پرویزؒ فرماتے ہیں۔

" اس طرح عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی۔ میاں بیوی اس بچے کو لے کر، کسی دور مقام میں جابسے۔ وہ بڑا ہوا، شرف نبوت سے سر فراز کیا گیا۔ تو اس کی والدہ اسے لے کر اپنے وطن واپس آئیں۔ ایک تو لوگوں کے نزدیک مریم کی یہ حرکت ہی کچھ کم قابل اعتراض نہ تھی کہ اس نے راہبہ بن جانے کے بعد، ہیکل کے ضابطہ کے خلاف اس طرح متاہل زندگی بسر کرنا شروع کر دی تھی۔ اس پر عیسیٰؑ کی طرف سے احبار ورہبان کی خود ساختہ شریعت اور ان کے سیرت و کردار کے خلاف سختی سے نکتہ چینی ہوئی تھی۔ چنانچہ وہ لوگ مریم سے کہتے کہ تم نے پہلے خود بھی عجیب و غریب حرکت کی ۔ اور اس کے بعد اس قسم کا انوکھا بیٹا لے کر آگئیں"

غور فرمائیں۔ کس طرح بچہ پیدا کرتی ہوئی مریم صادقہؒ، ایک ویرانے میں، بھوکی پیاسی، مرنے کی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔ اس وقت نہ شوہر کہیں نظر آرہا تھا۔ نہ کوئی اور انسان۔ ایک بیابان، سناٹا، ہو کا عالم لیکن جیسے ہی بچہ پیدا ہوا، شوہر صاحب مریم صادقہؒ کو لے کر کہیں دور مقام پر جا بسے۔

گویا کہ وہ شوہر نامدار، اس ویرانے کو ایک میٹرنٹی ہوم سمجھ کر وہاں آگئے تھے۔ جہاں سے بچہ پیدا کیا۔ اور پھر کہیں جا بسے۔

کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ انسانوں کے خود ساختہ عقائد و نظریات کس طرح انسان کو دیکھنے، سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیتے ہیں۔

ایک مرد، سارے جہاں سے دشمنی مول لے کر، ایک عورت کو اپنی بیوی بناتا ہے۔ اس کی بیوی اس کے بچے کی ماں بننے لگتی ہے۔ اس جگہ کا ماحول انتہائی تکلیف دہ ہوتا ہے۔ ہیکل کے احبار ورہبان اس جوڑے کا جینا دوبھر کر رکھتے ہیں۔ لیکن یہ شوہر صاحب ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ اس وقت تک یہ ساری مخالفتیں ، طعن، ملامتیں برداشت کرتے رہتے ہیں، جب تک بچے کی پیدائش کا وقت نہ آپہنچا۔

عین جب بچہ پیدا ہونے کا وقت آیا، ان صاحب کو خیال آیا کہ مجھے اپنی بیوی اور اپنے بچے کو ان احبار و رہبان سے بچا کر نکل جانا چاہیے۔

لیکن پھر نامعلوم وجوہات کی بناء پر وہ اپنی بیوی کو ایک ویرانے میں لے آتا ہے وہاں اس کی بیوی اپنی حالت زار پر غور کرتی ہے تو مرنے کی دعائیں مانگنے لگتی ہے۔ اس جگہ نہ کھانے کو ہے اور نہ پینے کو۔ اس حالت میں وہ عورت بچہ کو پیدا کرتی ہے۔

جیسے ہی بچہ پیدا ہوتا ہے، یہ صاحب اپنی بیوی اور بچے کو لے کر کہیں دور جا بستے ہیں۔ تاکہ ان احبار و رہبان کی شر انگیزیوں سے اپنی بیوی اور بچے کو بچا سکے۔

کہیے کیسی عالی شان اسٹوری ہے ؟

احبار ورہبان کے اتنے شدید دباؤ، لعن طعن کے باوجود، کیا وجہ تھی کہ یہ شوہر نامدار ناصرہ میں ہی مقیم رہے ؟

جس خوف سے وہ بعد میں اپنی بیوی کو لے کر وہاں سے نکل گیا، یہ ہی عمل اس نے شادی کے فوراً بعد کیوں نہ کیا؟

شادی اور اس کے بعد حمل کا نو ماہ کا عرصہ اگر اس نے وہاں گزار لیا، تو پھر کیا وجہ تھی کہ عین بچے کی پیدائش کے موقع پر وہ اپنی بیوی کو لے کر ایک ویرانے میں جا پہنچا؟

جس دور کے مقام پر وہ بچے کی پیدائش کے بعد جا بسا، اپنے بچے کی پیدائش بھی اس ہی مقام پر کیوں نہ کر لی؟

اب پھر کیا وجہ تھی کہ جناب مریم صادقہؒ، پھر لوٹ کر اپنی قوم میں آ گیں؟

جناب پرویزؒ کے مطابق، اس وقت حضرت عیسیٰؑ، جوان ہو چکے تھے اور منصب نبوت سے سرفراز فرما دیئے گئے تھے۔ لیکن آیت مبارکہ میں ان الفاظ "فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا تَحْمِلُهُ" کا کیا کیا جائے؟

اس لفظ " تَحْمِلُهُ " کو کہاں لے جائیں۔

آیئے اس لفظ " تَحْمِلُهُ " کے معنی جناب پرویزؒ کی لغات القرآن ہی سے متعین کرتے ہیں۔

اس لفظ کا مادہ "ح م ل" ہے۔ اس کے معنی بار اٹھانا، اپنے اوپر لادنا، ہوتا ہے۔

(تاج العروس) لغات القرآن از پرویزؒ

آیت بالا میں یہ لفظ " تَحۡمِلُهٗ "اس بچے کو اٹھا کر لانا بیان کرتی ہے۔اب ظاہر ہے کہ ایک ماں جس بچے کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہو، وہ بچہ کتنا بڑا ہو سکتا ہے؟

کیا ایک جوان بچے کو اس کی ماں اپنی گود میں اٹھائے پھرتی ہے؟؟

آیت مبارکہ واضح طور پر ایک نومولود بچے کا ذکر کر رہی ہے۔نہ کہ کسی جوان مرد کا۔

اب سوال یہ ہے کہ جناب پرویزؒ نے کس لفظ سے ایک بچے کو جوان کے معنی میں ڈھال لیا؟

کیا اس آیت مبارکہ میں ایک بھی ایسا لفظ موجود ہے جس سے ہم حضرت عیسیٰؑ کی جوانی کا قیاس کریں؟

کیا اس واضح ترین لفظ "تَحۡمِلُهٗ "کی موجودگی میں ایک بچے کو جوان مرد کہنا، مفہوم کے نام پر قرآن کریم میں دانستہ تحریف کے زمرے میں نہیں آتا؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر کیوں جناب پرویزؒ نے اتنے واضح الفاظ کی موجودگی میں، ایک بچے کو ایک جوان آدمی کے مفہوم میں ڈھالنے کی کوشش کی؟

کیونکہ، اگے کی آیات مبارکہ میں یہ ہی بچہ، اللہ کریم کے پیغام کو بیان کر رہا ہے۔اب ظاہر ہے کہ جناب پرویزؒ کے اپنے عقائد و نظریات انہیں اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ایک معصوم بچے کو لوگوں سے بات کرتے ہوئے قبول کر لیں۔

ہم نے ان تینوں آیات مبارکہ کو سوچ سمجھ کر، جان بوجھ کر، ایک جگہ اکھٹا بیان کیا ہے۔ کیونکہ ان تینوں آیات مبارکہ کا مضمون ساری بات کو بہت ہی آسانی کے ساتھ بیان کر رہا ہے۔ اگر انسان سچ کو جھٹلانے کا تہیہ نہ کر لے تو ان آیات سے بات کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہے۔

جیسا کہ بچہ کی پیدائش کے بعد اللہ کریم نے مریم صادقہ ؓ، کو حکم دیا تھا۔۔

فَكُلِي وَاشْرَبِي وَقَرِّي عَيْنًا ۖ فَإِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا فَقُولِي إِنِّي نَذَرْتُ لِلرَّحْمَٰنِ صَوْمًا فَلَنْ أُكَلِّمَ الْيَوْمَ إِنسِيًّا [١٩:٢٦]

پس تو کھا اور پی اور اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر پھر اگر کوئی آدمی تجھے نظر آئے تو اس سے کہہ دے کہ میں نے رحمان کے لیے روزے کی نذر مانی ہے، اس لیے آج میں کسی سے نہ بولوں گی"[ابو الاعلی مودودی]

اور اللہ کریم کے اس حکم پر عمل کرتے ہوئے، مریم صادقہ ؓ اپنے بچے کو اٹھائے، اپنی قوم میں واپس آئیں، اور وہاں کے لوگوں نے جب ایک کنواری لڑکی کی گود میں ایک نو مولود بچہ دیکھا، تو وہ اس پر لعن طعن کرنے لگے۔ جس کے جواب میں جناب مریم صادقہ ؓ کیا کیا؟

فَأَشَارَتْ إِلَيْهِ ۖ قَالُوا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَن كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا [١٩:٢٩]

تو مریم نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا، وہ کہنے لگے: ہم اس سے کس طرح بات کریں جو (ابھی) گہوارہ میں بچہ ہے، [طاہر القادری]

غور فرمائیں۔ اللہ کریم کے حکم کے عین مطابق، مریم صادقہؒ لوگوں سے بات کرنے سے گریز کر رہی ہیں ان کا یہ عمل، اس بات کو صاف صاف بیان کر رہا ہے کہ بچے کی پیدائش کو زیادہ وقت نہیں گزرا۔ اگر جناب پرویزؒ کے مطابق، یہ واقعہ حضرت عیسیٰؑ کی جوانی کا ہے، تو پھر کیا مریم صادقہؒ اس پورے عرصہ میں حکم خداوندی کے مطابق، چپ کا روزہ رکھے رہیں؟؟

آیت بالا میں بھی دو الفاظ " الْمَهْدِ "اور" صَبِيًّا "موجود ہے جس کے من مانے ترجمہ سے بات کو بدلنے کی کوشش کی گئی۔ آیئے پہلے اس لفظ "الْمَهْدِ "کا معنی بھی جناب پرویزؒ کی لغات القرآن سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس لفظ کا مادہ "م ھ د" ہے۔ اس کے معنی جگہ کو ہموار اور نرم بنانا ہے۔ المھد۔ نرم اور ہموار زمین۔۔

المھاد۔۔ بستر کو کہتے ہیں کیونکہ وہ نرم اور ہموار ہوتا ہے۔

چونکہ بچے کا بسترہ ہموار اور نرم ہوتا ہے، اس لیے اسے "الْمَهْدِ " کہتے ہیں، یعنی گھوارہ۔

لغات القرآن از جناب پرویزؒ

اب دوسرے لفظ "صَبِيًّا "پر غور کرتے ہیں۔

اس لفظ کا مادہ "ص ب و" ہے۔

"الصبیی" اس بچہ کو کہتے ہیں جس کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو۔ یا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو۔

"صبا فلان یصبو" فلاں آدمی کسی چیز کی طرف مائل ہو کر، بچوں کے سے کام کرنے لگ گیا۔

سورہ یوسف میں ہے "اصب الیھن"۔ اس کے معنی ہیں میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں، اور لڑکوں کی سی نا سمجھی کی باتیں کرنے لگ جاؤں۔

ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنی ہیں، مائل کرنا۔۔ جھکانا، جھکنا، اور کم عمری۔

لغات القرآن از جناب پرویز علیہ رحمہ

غور فرمایا آپ نے۔ " صَبِيًّا " کے معنی، کم عمری، ایسا بچہ جس کا دودھ نہ چھڑایا گیا ہو۔ جبکہ " الْمَهْدِ " کے معنی بچوں کا گہوارہ۔

کیا کہہ رہے تھے، مریم صادقہؓ کی قوم کے لوگ۔ یہ ہی نہ، کہ کیا ہم اس دودھ پیتے بچہ سے بات کریں، جو ابھی تک گہوارے سے نہیں نکلا۔ ذرا غور فرمایا جائے، کیا الجھن ہے اس معنی و مفہوم میں؟

کون سا پیچ و خم ہے ان الفاظ کے معنی و مفہوم کو سمجھنے میں؟

اور معنی و مفہوم بھی وہ ہی جو آپ نے اپنی لغت میں خود بیان کیے ہیں۔

کیا مشکل ہے ان الفاظ کے معنی اور مفہوم کے درست تعین کی راہ میں؟

سوائے اس کے کہ آپ کے اپنے ذہن میں کوئی خود ساختہ عقیدہ یا نظریہ موجود ہے۔۔۔۔۔۔۔ کہ یہ بات " خارق عادت " ہے۔ عام مشاہدے کے خلاف ہے۔ ایک معجزہ ہے۔ اور آپ معجزات کے قائل نہیں۔۔

آیئے اس حوالے سے خود قرآن کریم کی گواہی پر غور کر لیتے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ [٣:٤٦]

لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی، اور وہ ایک مرد صالح ہو گا"

[ابوالاعلی مودودی]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔۔

إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا [٥:١١٠]

پھر تصور کرو اس موقع کا جب اللہ فرمائے گا کہ "اے مریم کے بیٹے عیسیٰؑ! یاد کر میری اس نعمت کو جو میں نے تجھے اور تیری ماں کو عطا کی تھی، میں نے روح پاک سے تیری مدد کی، تو گہوارے میں بھی لوگوں سے بات کرتا تھا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی۔ [ابوالاعلی مودودی]

آیات بالا کو غور سے پڑھیں۔

سب سے پہلے آیت مبارکہ 3:46 پر غور فرمائیں۔ آیت مبارکہ میں لفظ " وَيُكَلِّمُ " استعمال ہوا ہے۔ اس میں "واو" عاطفہ ہے جب کہ " يُكَلِّمُ " فعل مضارع ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ تمہارا بیٹا" فِي الْمَهْدِ "لوگوں سے باتیں کرے گا۔ کلام کرے گا۔

مستقبل کی ایک پیشن گوئی کی جا رہی ہے۔

اب سوچیں، اگر اس لفظ "فِي الْمَهْدِ " کے معنی جناب پرویزؒ کے مطابق، جوانی کے ہیں۔ اس کے معنی اگر یہ ہیں کہ " یہ کل کا بچہ "تو پھر یہ پیشن گوئی کرنے کا فائدہ کیا؟

یہ کون سی انوکھی بات ہے ؟

دنیا کا ہر جوان باتیں کرتا ہے۔ لوگوں سے کلام کرتا ہے۔ پھر ایسی کون سی بات ہے جسے اللہ کریم بطور پیشن گوئی پیدائش حضرت عیسیٰؑ سے پہلے ہی مریم صادقہؓ کو بتا رہے ہیں۔

سوچیں، اگر کوئی آپ سے کہے کہ تمہارے یہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے، یہ بڑا ہو کر لوگوں سے کلام کرے گا۔ تو آپ اس عقل مند کو کیا کہیں گے ؟؟

کہ واہ واہ جناب آپ نے تو وہ عظیم تر انکشاف کر دیا ہے جس کا ہمیں شعور تک نہ تھا۔

کتنی بڑی بریکنگ نیوز ہو گی کہ کوئی بچہ بڑا ہو کر، لوگوں سے ہم کلام ہو گا۔

اللہ رب العزت اس بات کو بطور خاص بیان فرما رہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ؑ، گھوارے میں لوگوں سے ہم کلام ہوتے تھے۔ اس ہی بات کو اللہ رب العزت حضرت عیسیٰ ؑ پر اپنے احسان کے طور پر بھی بیان فرما رہے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ اگر جناب پرویزؒ کے بقول، ان آیات کے معنی حضرت عیسیٰ ؑ کا جوانی میں لوگوں سے کلام ہے، تو پھر اس میں خاص بات کیا ہے؟

کیوں اللہ کریم اسے بار بار بیان فرما رہے ہیں۔ جوانی میں تو ہر انسان بات کرتا ہے۔

اس میں انوکھی بات کیا ہے جس کا بار بار تذکرہ کیا جائے۔

نہ صرف یہ کہ تذکرہ کیا جائے، بلکہ اسے اپنی نعمت کے طور پر پیش کیا جائے۔

مذکورہ بالا دونوں آیات مبارکہ میں، دونوں الفاظ "فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا" ایک ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔

آیت بالا میں دو الفاظ قابل غور ہیں۔ ایک "فِي الْمَهْدِ" اور دوسرا "كَهْلًا"۔

"الْمَهْدِ" کے معنی تو ہم لغات القرآن سے متعین کر چکے ہیں، اس کے معنی بچے کا گھوارہ ہوتا ہے۔

آیئے اب اس لفظ "كَهْلًا" پر غور کرتے ہیں۔

اس کا مادہ "ک ھ ل" ہے۔ اس کے معنی بیان کرتے ہوئے جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

الکھل۔۔ ادھیڑ عمر آدمی کو کہتے ہیں۔ تیس سال کی عمر یا تیس سے پچاس سال کی عمر۔

لغات القرآن از جناب پرویزؒ

اس ہی لفظ کے تحت حضرت عیسیٰؑ کے متعلق بیان فرماتے ہیں۔

"سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے" وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ [٣:٤٦]۔ کم عمری میں بھی، اور پوری عمر کو پہنچ کر لوگوں سے باتیں کرے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ابتدائی عمر ہی سے معاشرے کی خرابیوں کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ ویسے بھی تاریخ بتاتی ہے کہ انہیں نبوت مقابلتاً کم عمر میں مل گئی تھی۔ یعنی قریباً تیس سال کی عمر میں۔ لیکن قرآن کریم نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

لغات القرآن صفحہ 1461 از جناب پرویزؒ

ذرا غور فرمائیں، تاریخ کے بیان کو جس کے متعلق جناب پرویزؒ کا اپنا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ غیر مستند ہے اسے بیان فرما رہے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے ابتدائی عمر ہی سے معاشرے کی خرابیوں کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دی تھیں۔ ویسے بھی تاریخ بتاتی ہے کہ انہیں نبوت مقابلتاً کم عمر میں مل گئی تھی۔ یعنی قریباً تیس سال کی عمر میں" لیکن اس بات سے انکار کر رہے ہیں کہ " قرآن کریم نے اس کا ذکر نہیں کیا "۔ استغفر واللہ۔

نہ جانے کس روانی میں جناب پرویزؒ، قرآن کریم کی واضح آیت مبارکہ سے منکر ہو رہے ہیں۔

حالانکہ قرآن کریم واضح طور پر حضرت عیسیٰؑ کا یہ بیان سامنے لا رہا ہے کہ جب مریم صادقہؓ کی قوم کے

افراد نے اس بات پر ناراضگی کا اظہار کیا، کہ کیا ہم اس گھوارے میں پڑے بچے سے بات کریں، جو بات کرنے کے قابل ہی نہیں ہوتا، تو اس کے جواب میں حضرت عیسیٰ ؑ نے فرمایا۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا [١٩:٣٠]

بچہ بول اٹھا" میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی، اور نبی بنایا [ابو الا علی مودودی]

یعنی قرآن تو حضرت عیسیٰ ؑ کی نبوت کی تصدیق، ان کے "حالت مھد" میں ہوتے ہوئے بیان فرمارہا ہے۔ اب جناب پرویزؒ، اس لفظ "مھد" کے معنی، شیر خواری نہ سہی، کم عمری ہی کریں، تب بھی، حضرت عیسیٰ ؑ کی بچپن میں نبوت پر سر فرازی، تو ایک قرآنی حقیقت ہے۔ اب نہ جانے کیوں جناب پرویزؒ کو قرآن کریم کی اتنی واضح آیت نظر نہیں آئی۔

اب جب کہ اس لفظ "كَهْلًا" کے معنی تیس سال کا جوان ہے، تو پھر اس لفظ کے ساتھ قرآن کریم کے اس دوسرے لفظ "الْمَهْدِ" کے معنی جناب پرویزؒ نے کس طرح ایک جوان عیسیٰ ؑ کر دیا؟؟

کیوں قرآن کریم ان دونوں الفاظ کو ایک ساتھ بیان فرمارہا ہے؟

اس لفظ "كَهْلًا" کے معنی، ادھیڑ عمری ہے۔ اسے ہم پختہ عمر کہتے ہیں۔ اس عمر میں انسان کا کلام کرنا، معمول کی بات ہے۔ اس میں نہ تو کوئی حیرانگی کی بات ہے اور نہ ہی یہ عمل "خارق عادت" ہے۔ لیکن اس عام عمل کے ساتھ لفظ "فِي الْمَهْدِ" لا کر، اس بات کو واضح کیا جارہا ہے کہ جس طرح انسان ادھیڑ عمر میں

بات کرتے ہیں، اے عیسیٰؑ تم، حالت شیر خواری میں بھی اس ہی طرح، لوگوں سے بات کیا کرتے تھے اس ہی بات کو اللہ کریم اپنی نعمت کہہ رہے ہیں۔ ورنہ جوانی اور ادھیڑ عمر میں انسان کا کلام کرنا، اس میں کون سی ایسی خاص بات ہے جسے اللہ کریم بار بار بیان فرمائیں۔ اسے اپنی نعمت قرار دیں۔

چنانچہ ان آیات مبارکہ میں حضرت عیسیٰؑ کا گھوارے میں بات کرنا، نص قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ جناب پرویزؒ، صرف اپنے ذہن میں موجود مخصوص عقیدے کی بناء پر، اسے جوانی کا واقعہ قرار دے کر، مفہوم کے نام پر تحریف قرآنی کے مرتکب قرار پاتے ہیں۔

اس ہی طرح جناب پرویزؒ، ایک بار پھر، سورہ مریم کی آیت مبارکہ 19:28 میں موجود لفظ "بَغِيًّا" کے حوالے سے مفہوم کے نام پر تحریف قرآنی کے مرتکب ہوئے۔

آیت مبارکہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَا أُخْتَ هَارُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا [۱۹:۲۸]

اے ہارون کی بہن، نہ تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں ہی کوئی بدکار عورت تھی"
[ابوالاعلی مودودی]
آیت بالا کا مفہوم بیان کرتے ہوئے جناب پرویزؒ، ایک بار پھر تحریف قرآنی کے مرتکب ہوئے۔

جناب پرویزؒ لکھتے ہیں۔

وہ اس سے کہتے اے اخت ہارون، نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا۔ نہ ہی تیری ماں نے کبھی ہیکل کے قوانین وضوابط سے

سرکشی اختیار کی تھی۔ تم تو ایک شریف، مذہب پرست، پابند شریعت گھرانے کی لڑکی تھیں۔ تم نے یہ کیا کیا۔ اور اپنے بیٹے کو کس قسم کی تعلیم دلوائی۔

مفہوم القرآن از جناب پرویزؒ

جیسا کہ آپ جانتے ہیں، آیت مبارکہ 19:20 میں ہم اس لفظ "بَغِيًّا" پر سیر حاصل بات کر چکے ہیں۔ جہاں میں نے لغت اور قرآن، اور خود جناب پرویزؒ کے اپنے متضاد بیانات کی بنیاد پر ثابت کیا ہے کہ اس لفظ کے معنی بغاوت کے نہیں، بلکہ بدکاری کے ہوتے ہیں۔

یہ ہی بات اس آیت مبارکہ میں بیان کی گئی ہے۔ ان کی قوم ان سے کہہ رہی ہے، کہ اے مریم، یہ تو نے کیا کیا۔ نہ تو تیرا باپ کوئی برا آدمی تھا، اور نہ ہی تیری ماں بدکار تھی۔ اگر اس مرحلہ پر بات جناب مریم صادقہؒ کے ہیکل کے قوانین سے بغاوت کی ہوتی، تو پھر باپ کو برا آدمی اور ماں کو باغی کہنا، خلاف عقل بات ہے۔ جب مریم صادقہؒ کو ہیکل کے حوالے کیا گیا، تو کیا یہ عمل مریم صادقہؒ کے والد کی اجازت کے بغیر ہی کیا گیا تھا؟

ظاہر ہے کہ ام مریم کی مانی ہوئی نذر کے مطابق، جب مریم صادقہؒ کو ہیکل کے حوالے کیا گیا، تو اس میں مریم صادقہؒ کے والد صاحب کی رضامندی یقیناً شامل ہو گی۔ اس کا مطلب ہوا کہ مریم صادقہؒ کے ماں اور باپ دونوں، اس وقت کے رسم و رواج، اور ہیکل کے قوانین کے تابعدار تھے۔

تو پھر کیوں جناب پرویزؒ کے مطابق، باپ کے متعلق کہا گیا کہ وہ برا آدمی نہ تھا، اور ماں کے لئے کہا گیا کہ وہ

"باغی" نہ تھی۔

باغی نہ ہونے کا بیان تو دونوں میاں بیوی کے لئے ہونا چاہیے۔

لیکن ایک مرد کے ناطے، یہ کہا گیا کہ وہ برا آدمی نہ تھا۔ لیکن عورت ہونے کے ناطے، ام مریم کے لئے کہا گیا کہ وہ بدکردار نہ تھیں۔ یہاں بات بغاوت کی تو ہو ہی نہیں رہی۔

اس لفظ کے حوالے سے جناب پرویزؒ کی تضاد بیانی تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔

کبھی کہتے ہیں کہ مریم نے بغاوت کی تھی کبھی کہتے ہیں، نہیں اس لفظ "بَغِيًّا" کے معنی زناکاری کے ہوتے ہیں۔ آیئے ایک بار پھر ان کے اس بیان کو پڑھتے ہیں۔

"سورہ مریم میں ہے "وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا"۔ یہاں "مس بشر "بغیاء" کے مقابلے میں آیا ہے بغیاءسے مراد ناجائز اختلاط ہے۔ اس تشریح کی رو سے آیت کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ یعنی حضرت مریم نے کہا کہ میرے یہاں بچہ کیسے پیدا ہو سکتا ہے جب کہ صورت یہ ہے کہ میرا نکاح بھی نہیں ہوا، اور میں معاذاللہ حرام کاری کی مرتکب بھی نہیں ہوئی"

مطالب الفرقان جلد چہارم صفحہ 98

میرے نزدیک یہ آیت مبارکہ بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

یہ اکیلی آیت مبارکہ، جناب پرویزؒ کے بیان کردہ اس افسانے کو کہ، مریم صادقہؑ، اپنے ماں باپ کے پاس

ناصرہ چلی گئیں تھیں، مسترد کر رہی ہے

آپ غور فرمائیں اس آیت مبارکہ پر۔ اس میں دو باتیں بیان کی جارہی ہیں۔

1۔۔مَا كَانَ أَبُوكِ امْرَأَ سَوْءٍ

2۔۔وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا

یہ دونوں الفاظ فعل ماضی ہیں۔

کہا جارہا ہے کہ تیرا باپ نہ تھا برا آدمی۔۔

کہا جارہا ہے۔۔ تیری ماں نہ تھی بدکار۔

آپ کو مریم صادقہ ؓ کے ہیکل میں آنے کے بعد، وہاں گزرے پندرہ بیس سال کے عرصہ میں کہیں بھی مریم صادقہ ؓ کے والدین کا ذکر نہیں ملے گا۔ اس موقعہ پر جب وہ اپنے بچے کو لئے اپنی قوم میں واپس آئیں تو ان کے والدین کے لئے ماضی کے صیغے استعمال کئے گئے ہیں، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس پندرہ بیس سال کے عرصہ میں مریم صادقہ ؓ کے والدین اس دار فانی سے کوچ کر چکے تھے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مریم صادقہ ؓ کو اپنے بچے کی پیدائش ایک ویرانے میں کرنی پڑی۔

چنانچہ یہ آیت مبارکہ جناب پرویز ؒ کے اس موقف کو مسترد کر رہی ہے کہ مریم صادقہ ؓ، ہیکل چھوڑ کر اپنے گاؤں ناصرہ چلی گئی تھیں۔

جناب پرویزؒ، نے اس واقعہ کی ابتداء میں ہی سہو کیا۔

جب وہ قرآن کریم کی ایک واضح آیت مبارکہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے غلطی کے مرتکب ہوئے۔اس آیت کو دوبارہ پیش کرتا ہوں۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا [:]فَاتَّخَذَتْ مِن دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا [۱۹:۱۷]

اس آیت مبارکہ کا مفہوم بیان کرتے ہوئے جناب پرویزؒ رقمطراز ہیں۔

" اے رسول اب تو اس کتاب قرآن میں، لوگوں سے مریم کا قصہ بیان کر۔اور سلسلہ کلام کا آغاز اس وقت سے جب وہ خانقاہیت کی زندگی چھوڑ کر اپنے گاؤں ناصرہ میں چلی گئی جو وہاں سے مشرق کی سمت واقع ہے۔

خانقاہیت کی زندگی اور وہاں کے ناخوش آئند واقعات نے اس کے دل پر ایسا اثر چھوڑا تھا، کہ وہ وہاں بھی لوگوں سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ہم نے ان اثرات کو مٹانے کے لئے اسے زندگی کے خوشگوار پہلوؤں کے متعلق تقویت بخش اشارہ کیا۔جو اس کے خواب میں ایک اچھے بھلے انسان کی شکل میں سامنے آیا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت مریم ہیکل کو چھوڑ کر اپنے آبائی وطن ناصرہ تشریف لے جاچکی تھیں جو یروشلم سے شمال مشرق کی طرف واقع ہے۔

شعلہ مستور، صفحہ 34

اب جب جناب پرویزؒ نے قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ کی ابتداء ہی میں ایک سنگین غلطی کر لی، تو پھر اس کے بعد آنے والی تمام کی تمام آیات کا مفہوم اس ہی تصور میں بیان کرتے چلے گئے کہ مریم صادقہؒ، اپنے گاؤں میں، اپنے ماں باپ کے پاس تھیں۔

اس ہی سے ساری قباحتیں پیدا ہوئیں۔

نہ وہ یہ سمجھا سکے کہ جب مریم صادقہؒ، ہیکل چھوڑ کر اپنے والدین کے پاس آگئی تھیں، تو پھر ان پر ہیکل کے قوانین کیونکر لاگو رہے؟

نہ ہی وہ یہ سمجھا سکے کہ، کیوں بچے کی پیدائش کے عین موقع پر وہ اپنے ماں باپ کو چھوڑ کر ایک ویرانے میں چلی گئیں؟

کیسے ان کی ماں نے انہیں اس حالت میں جانے کی اجازت دے دی؟

ظاہر ہے کہ جب مریم صادقہؒ کے والدین حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے پہلے ہی خالق حقیقی سے جا ملے تھے، تو پھر مریم صادقہؒ کا ہیکل چھوڑ کر اپنے گاؤں جانا اور اس کے بعد کی تمام داستان جناب پرویزؒ کے ذہن کا ایک اچھا افسانہ تو قرار پاتا ہے، لیکن حقیقت کی کسوٹی پر اس کا ذرہ برابر وزن نہیں بنتا۔ نہ ہی عقل و خرد کے پیمانے پر اس کی کوئی حیثیت ثابت ہوتی ہے۔

اس ہی مقام پر ایک اور حقیقت سامنے آتی ہے۔

جناب پرویزؒ کا ایک اور عقیدہ یا نظریہ باطل قرار پاتا ہے۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰؑ کو بتکرار "عیسیٰ ابن مریم" کے نام سے پکارا گیا۔ جو حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش کے نظریہ کو ثابت کرتا ہے "عیسیٰ ابن مریم" کے قرآنی الفاظ کی توضیح بیان کرتے ہوئے جناب پرویزؒ فرماتے ہیں۔

" حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش کے قائل اپنے عقیدہ کی تائید میں ایک دلیل یہ بھی لایا کرتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے ابن مریم کہہ کر پکارا ہے۔ ان کے باپ کی طرف ان کی نسبت نہیں کی۔ جس سے ظاہر ہے کہ ان کا کوئی باپ نہیں تھا۔ یہ دلیل جس قدر کمزور ہے، اس کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ سامی اقوام کے یہاں یہ رواج تھا کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہو ان کی اولاد کی نسبت اس کی طرف کیا کرتے تھے۔

مطالب الفرقان جلد چہارم، صفحہ 96

ہم نے اس اقتباس کے جواب میں اس ہی مضمون میں دلائل سے ثابت کیا ہے کہ سامی اقوام میں اس طرح کا کوئی رواج اس زمانے میں موجود نہ تھا۔ یہ صرف جناب پرویزؒ کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔

اب یہ بات آیت بالا 19:28 سے بھی غلط ثابت ہو جاتی ہے۔

آیت بالا میں مریم صادقہؑ کو "اخت ہارون" کہہ کر پکارا گیا ہے۔

بقول جناب پرویزؒ " سامی اقوام کے یہاں یہ رواج تھا کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہو ان کی اولاد کی نسبت اس کی طرف کیا کرتے تھے۔

تو پھر اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیوں کر مریم صادقہؒ جیسی مشہور و معروف خاتون کو ان کے غیر معروف بھائی کے نام کے ساتھ پکارا جا رہا ہے؟

جب رواج یہ تھا کہ " کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہو ان کی اولاد کی نسبت اس کی طرف کیا کرتے تھے "تو کیوں مریم صادقہؒ کی نسبت ان کے بھائی کی طرف کی گئی؟

یہ تو ان کے بھائی تھے، باپ تو نہ تھے۔

مزید یہ کہ جب خود مریم صادقہؒ ایک مشہور و معروف خاتون تھیں، تو انہیں اپنے بھائی کی نسبت سے بیان کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟

ہمارے لئے تو مریم صادقہؒ کے بھائی بھی اتنے ہی غیر معروف ہیں جتنے ان کے والدین۔ تو پھر کیوں مریم صادقہؒ کو ان کے باپ یا ماں کے نام سے بیان نہیں کیا گیا؟

مریم صادقہؒ کے بھائی کے مقابلہ میں، ان کی ماں پھر بھی ایک معروف خاتون کے طور پر ہمارے سامنے آ رہی ہیں کہ انہوں نے نذر مانی تھی اور اپنی بیٹی ہیکل کے حوالے کی تھی۔ جب کہ مریم صادقہؒ کے بھائی کا کوئی کردار ہمارے سامنے نہیں ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ مریم صادقہؒ کے بھائی اس وقت کی کوئی مشہور و معروف ہستی تھے۔

تب بھی یہ بات جناب پرویزؒ کے اس بیان سے باطل قرار پاتی ہے کیونکہ بقول جناب پرویزؒ، سامی اقوام میں رواج یہ تھا کہ " کہ ماں اور باپ میں سے جو زیادہ مشہور ہو ان کی اولاد کی نسبت اس کی طرف کیا کرتے تھے۔ لیکن یہاں نسبت بھائی کی طرف کی جارہی ہے۔ جو جناب پرویزؒ کے اس ضمن میں طفلانہ دعوے اور نام نہاد تحقیق کو رد کر رہی ہے۔

سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں بتکرار " عیسیٰ ابن مریم " کے الفاظ اپنے آپ میں اس بات کی دلیل ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ، اللہ کریم کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے، بغیر باپ کے پیدا ہوئے۔

مزید آگے بڑھتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا [:]وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا أَيْنَ مَا كُنتُ وَأَوْصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا [:]وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا [:]وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا [:]ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ [١٩:٣٤]

بچہ بول اٹھا" میں اللہ کا بندہ ہوں اُس نے مجھے کتاب دی، اور نبی بنایا۔۔ اور بابرکت کیا جہاں بھی میں رہوں، اور نماز اور زکوۃ کی پابندی کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔۔ اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا، اور مجھ کو جبّار اور شقی نہیں بنایا۔۔ سلام ہے مجھ پر جبکہ میں پیدا ہوا اور جبکہ میں مروں اور جبکہ زندہ کرکے اٹھایا جاؤں"۔۔ یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اُس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں [ابوالاعلی مودودی]

آیات بالا میں، ایک آیت مبارکہ بہت زیادہ توجہ کی طالب ہے۔

حضرت عیسیٰ ؑ کی بن باپ پیدائش کے لئے نص صریح ہے۔

قارئین کرام۔۔ آپ قرآن کریم کا بغور مطالعہ فرمائیں۔ جگہ جگہ آپ کو" وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا" کے الفاظ ملیں گے۔ اللہ کریم نے باقائدہ اس کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا [٤٦:١٥]

اور ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم فرمایا۔[طاہر القادری]

دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا [:]وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا [١٧:٢٤]

تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ: تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو، مگر صرف اُس کی والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس اُن میں سے کوئی ایک، یا دونوں، بوڑھے ہو کر رہیں تو انہیں اف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو، بلکہ ان سے احترام کے ساتھ بات کرو۔۔ اور نرمی ورحم کے ساتھ ان کے سامنے جھک کر رہو، اور دعا کیا کرو کہ "پروردگار، ان پر رحم فرما جس طرح اِنہوں نے رحمت وشفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا"

[ابوالاعلی مودودی]

قرآن کریم عام مومنین کو اس بات کا حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے ماں اور باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک

کریں، ان کے حقوق ادا کریں۔ ان کے سامنے ادب سے جھکے رہیں۔ ان کے ساتھ کوئی سخت بات نہ کریں نہ ہی ان کی تضحیک کریں۔ ان کے لئے دعا کرتے رہیں کہ اے ہمارے پرودگار، ان پر اس ہی طرح رحم فرما، جس طرح انہوں نے رحمت اور شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا۔

اب جو تعلیم قرآن کریم اپنے نبی کے توسط سے عام مومنین کو دے رہا ہے۔ کیا نبی اس تعلیم سے مستثنیٰ ہوتا ہے؟ کیا ایک نبی پر ان آیات کا اطلاق نہیں ہوتا ہے؟

یقیناً ہوتا ہے۔ لازماً ہوتا ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ، ایسا نہیں کہہ رہے۔ کیا کہہ رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا [۱۹:۳۲]

اور اپنی والدہ کا حق ادا کرنے والا بنایا، اور مجھ کو جبّار اور شقی نہیں بنایا۔۔

کیا حضرت عیسیٰؑ، اس حکم خداوندی سے مستثنیٰ تھے، جس میں اللہ کریم نے تمام مومنین کو اپنے ماں اور باپ دونوں کے ساتھ حسن سلوک، فرمابرداری، ان کے حق ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے؟

کیا وجہ تھی کہ حضرت عیسیٰؑ صرف اپنی والدہ کے حوالے سے حقوق کی ادائیگی کی بات کر رہے ہیں؟

کیوں انہوں نے اپنی ماں کے ساتھ اپنے باپ کو بھی اس میں شامل نہیں کیا؟

ظاہر ہے کہ جس شیئے کا وجود ہی نہ ہو، اس کی بات کوئی بھی کس طرح کر سکتا ہے؟

آیات بالا کی آخری آیت، اللہ کریم کی طرف سے اس بات کی سند ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے متعلق جو حقیقت تھی وہ بیان کر دی گئی ہے۔

ذَٰلِكَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِي فِيهِ يَمْتَرُونَ [١٩:٣٤]

یہ ہے عیسیٰ ابن مریم اور یہ ہے اُس کے بارے میں وہ سچی بات جس میں لوگ شک کر رہے ہیں [ابوالاعلی مودودی]

بخدا اپنے ذہن سے اپنے یا کسی دوسرے کے خود ساختہ عقائد و نظریات کو ایک طرف کر کے، ان آیات قرآنی کا مطالعہ کیا جائے۔ عام فہم انداز میں ان پر تفکر و تدبر کیا جائے، تو بات بلکل سادہ ہے۔ یہ ساری آیات مبارکہ حضرت عیسیٰؑ کی بن باپ پیدائش کے عمل کو ایک سچ کے طور پر بیان کر رہی ہیں۔

اللہ کریم کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا اعلان کر رہی ہیں۔ لیکن ــــــــــــــــــــــــ

بیاں میں نقطہ توحید، آ تو سکتا ہے

تیرے دماغ میں بُت خانہ ہو تو کیا کیجئے

إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون

إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون

إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون

إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون

إنا نحن نزلنا الذكر وإنا له لحافظون